اِسلامی آدابِ معاشرت

صحیح احادیث کی روشنی میں

حافظ صلاحُ الدین یوسف حفظہ اللہ

© مكتبة دار السلام ١٤٢٧ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
يوسف، حافظ صلاح الدين
الاداب الاسلامي في المجتمع باللغة الاردية. / حافظ صلاح الدين يوسف- الرياض، ١٤٢٧هـ
ص: ٢٥٨ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ١-٩-٩٨٠٣-٩٩٦٠
١-الاداب الاسلامية ٢- الاخلاق الاسلامية أ-العنوان
ديوي ٢١٢ ١٤٢٧/٥٦١٤

رقم الإيداع: ١٤٢٧/٥٦١٤
ردمك: ١-٩-٩٨٠٣-٩٩٦٠

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

- طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 ● الملز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
- سویلم فون: 2860422 1 00966 ● جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
- مدینہ منورہ موبائل: 503417155 00966 فیکس: 8151121 ● خمیس مشیط فون: 2207055 7 00966 موبائل: 0500710328
- الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 ● ینبع البحر موبائل: 0500887341

شارجہ فون: 5632623 6 00971 **امریکہ** ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001
لندن فون: 4885 539 208 0044 ❷ نیویارک فون: 6255925 718 001

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شو روم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 ❸ مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔ لاہور فون: 7846714

کراچی شو روم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ کراچی
فون: 4393936-21-0092 فیکس: 4393937 Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شو روم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

اسلامی آدابِ معاشرت

صحیح احادیث کی روشنی میں

تحقیق و تخریج سے مزین ایڈیشن

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

نام کتاب : اِسلامی آدابِ معاشرت

مصنّف : حافظ صلاحُ الدین یوسُف

منتظمِ اعلیٰ : عبدُالمالک مجاھد

مجلس انتظامیہ : حافظ عبدالعظیم اسد (مینجر دارالسلام، لاہور) محمّد طارق شاھد

مجلسِ مشاورت : حافظ صلاح الدین یوسف ڈاکٹر محمّد افتخار کھوکھر پروفیسر محمّد یحییٰ مولانا محمّد عبدالجبار

ڈیزائننگ اینڈ السٹریشن : زاھد سلیم چودھری (آرٹ ڈائریکٹر)

خطّاطی : اِکرام الحق

اشاعت اوّل: 2007

مضامین

باب : 2

اخلاق حسنہ

باب : 3

حسن معاشرت

مضامین

باب: 4

مومنوں کی صفات

باب : 5

خشیت الٰہی اور اتباع رسول

مضامین

باب : 6

فضیلت قرآن

باب : 7

فضائل اعمال

باب : 8

اعمال بد سے اجتناب

مضامین

باب : 9

برے اور بھلے کی پہچان

باب :10

حسن نفاست

باب: 11

آدابِ گفتگو

باب: 12

آداب طعام وقیام

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا خوب مہربان ہے

عرضِ ناشر

دورِ حاضر کے مسلمان جس پستی، درماندگی اور ذلت و اِدبار میں مبتلا ہیں اسے دیکھ کر دل دُکھتا ہے اورآنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں۔ مسلمانوں کی دلدوز مصیبتوں کے خاتمے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انھیں جھنجوڑا جائے، غفلت کی نیند سے جگایا جائے اور صاف صاف بتادیا جائے کہ تم جن مصیبتوں کے غار میں گر گئے ہو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم مغربی تہذیب کی جھوٹی چمک دمک کے متوالے بن گئے ہو اور اس قادرِ مطلق سے غافل ہو گئے ہو جس نے صحرائے عرب کے ان پڑھ بادیہ نشینوں کو پستی اور درماندگی سے نکال کر بحروبر کا حکمران بنادیا تھا۔ یہ معجزہ کس طرح رونما ہوا تھا؟ صرف ذاتِ عالی پر پکے ایمان اور اسوۂ حسنہ پر مخلصانہ عمل کی بدولت!

قرآنِ کریم کا ابدی نور آج بھی چمک رہا ہے اور سیرتِ رسول اللہ ﷺ کی دائمی قندیل آج بھی روشن ہے۔ جونہی ہمارے قدم جادۂ مغرب سے ہٹ کر قرآن وسنت کی درخشاں تعلیمات کی راہ پر گامزن ہوں گے، ہماری تقدیر کے کواڑ کھل جائیں گے اور ان تمام مصائب کا خاتمہ ہو جائے گا جنھوں نے آج ہمیں نڈھال کر رکھا ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کی فلاح کے لیے جو دستورِ حیات پیش کیا ہے، شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ وہ دستورِ زندگی سادہ اور سلیس اسلوب میں پیش کیا جائے تاکہ اسے ایک معمولی پڑھا لکھا مسلمان بھی آسانی سے پڑھ لے اور سچے دل سے دینی تعلیمات پر عمل کر کے انعامات ربانی کا مستحق بن جائے۔ زیرنظر کتاب ''اسلامی آدابِ معاشرت'' اسی ضرورت کا جامع جواب ہے۔ جسے مستند عالم دین حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ نے بڑی محنت سے

عرضِ ناشر

مرتب فرمایا تھا۔ انھوں نے اس مختصر کتاب میں مستند احادیث سے اللہ رب العزت پر پکے ایمان اور رسول مقبول ﷺ کی سیرت اطہر کی پیروی کے وہ تمام اصول چن چن کر یک جا کر دیے ہیں جن کی ہر مسلمان کو فوری اور اشد ضرورت ہے۔

اس کتاب کے بارہ ابواب ہیں۔ زمانے اور زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس کے لیے اس کتاب میں رہبری کی روشنی موجود نہ ہو۔ موصوف نے ابتدا ہی میں خشیت الٰہی اور اتباع رسول ﷺ کا درس دے کر وہ بنیادی سبق بہت آسان اور دلنشین اسلوب میں سمجھایا ہے جس کے بغیر ہماری کامیابی کا کوئی امکان نہیں۔

دیگر ابواب میں فضیلت قرآن، حسن معاشرت، اخلاق حسنہ، صفات المومنین، فضائل اعمال، بُرے افعال و اعمال سے اجتناب اور نیکی و بدی میں امتیاز کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حسن عمل کی تعلیم اور ترغیب بہ تمام و کمال آ گئی ہے۔ فی الجملہ یہ کتاب مستند احادیث کی روشنی میں صحیح اسلامی زندگی کی جامع دستاویز ہے۔

اللہ کرے یہ کتاب برگ و بار لائے اور ہر مسلمان اسوۂ حسنہ کا سچا پیروکار بن جائے۔ کتاب کی حروف خوانی، تصحیح کے کام میں مولانا محمد عثمان منیب، مولانا منیر احمد رسولپوری، مولانا محمد فاروق اور جناب احمد کامران کی مشترکہ مساعیٔ جمیلہ شامل ہیں۔ آخر میں دارالسلام ریاض کے مرکز علمی کے فضلاء قاری محمد اقبال اور شکیل احمد سلفی نے بھی کئی جگہ مناسب اصلاح کر کے کتاب کو مزید اعتبار و وقار بخشا ہے۔ اس کے فنی مراحل ڈیزائننگ اور کمپوزنگ وغیرہ میں جناب زاہد سلیم چودھری، محمد عامر رضوان، ہارون الرشید اور ابومصعب نے اسے خوب سے خوب تر بنانے میں بھرپور محنت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مصنف اور جملہ معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خادمِ کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر دارالسلام، ریاض، لاہور

رجب 1427ء اگست 2006

حرفِ اول

دین وشریعت،عقائد وعبادات کے ایک مخصوص نظام اور وضع کا نام ہے۔ اسلامی عقائد کا سب سے قوی اور مضبوط مظہر اس کی معاشرت میں کارفرما ہوتا ہے۔ یہ معاشرت اور اس کے اوضاع و اطوار جس قدر اپنے عقائد کے عکاس اور ترجمان ہوں گے ان میں اسی قدر سنجیدگی،پختگی اور سیرت سازی کا ساز وسامان موجود ہو گا۔ اسلام سے قبل نجد وحجاز کے علاقوں میں ایک کافرانہ اور مشرکانہ معاشرت تھی۔ اس معاشرت کے سارے کوائف جاہلیت کے رسوم و رواج سے وابستہ تھے،مگر یہ عقیدۂ توحید کا فیضان تھا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے تئیس سال کے مختصر ترین عرصے میں انتہائی قلیل وسائل کے ساتھ ایک عظیم معاشرتی انقلاب برپا کر دیا۔ یہ معاشرتی انقلاب سرتاپا اسلامی عقائد اور اس کی بنا پر اٹھنے والی تہذیب وثقافت سے ہم آہنگ تھا۔ کوئی بھی نظامِ عقائد جب تک ایک مخصوص ثقافت پیدا نہ کرے، وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ ثقافتی اقدار و روایات ایک تمدن اور معاشرت کی تشکیل کرتی ہیں اور یہی معاشرت کسی تصورِ زندگی کے حسن وقبح کا فیصلہ کرتی ہے۔

چودہ صدیاں گزرنے کے بعد اسلامی معاشرے اور معاشرت کی وہ شکل باقی نہیں رہی جس کا مطالبہ کتاب وسنت یا سیرت کا تقاضا ہے۔ آج ہماری معاشرت مغربی تہذیب، یورپی ثقافت اور الحاد واباحیت کی دلدل میں پھنس چکی ہے۔ ایک عجیب تضاد ہمارے عقائد اور ہماری معاشرت میں دکھائی دیتا ہے۔ اس تضاد نے دین کی ساری برکات اور شریعت کے تمام ثمرات سے ہمیں محروم کر رکھا ہے۔ عہدِ حاضر کا ذہنی انتشار اور قلبی اضطراب اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک ہم ایک مرتبہ پھر اپنی معاشرت کا رنگ ڈھنگ کوہِ فاران کی چوٹیوں سے بلند

حرفِ اول

ہونے والے پیغامِ الٰہی کی روشنی میں اختیار نہیں کرتے۔ قرآن مجید میں ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ کی جو صدائے شفقت و نصیحت بلند کی گئی ہے' اس کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے خاندانی نظام کی بھرپور حفاظت کریں اور اسے اسلامی معاشرت کے ساتھ ہم آہنگ کریں۔ یوں تو اس معاشرت میں ڈھلنے کی ہر ذی ہوش مسلمان کو ضرورت ہے مگر اپنی ترجیح اور اہمیت کے اعتبار سے اس اصلاح کا آغاز بچوں کی تعلیم و تربیت سے ہونا چاہیے۔ اگر کسی معاشرے کے بچوں میں اسلامی سیرت و کردار کے نقوش مرتب ہو جائیں تو اس معاشرے اور معاشرت کا مستقبل محفوظ ہو جاتا ہے۔ اگر نوخیز نسلوں کی ذہنی بیداری اور جذباتی نشوونما کو اسلامی سیرت کے خدوخال میں نہ ڈھالا جائے تو معاشرت مردہ اور معاشرہ بانجھ ہو جاتا ہے۔ اسی باعث تہذیب الاطفال یعنی بچوں کی کردار سازی کو خیر الاشغال (سب سے بہتر شغل) قرار دیا گیا ہے۔

اسلامی معاشرت کا حقیقی نمونہ حضور نبیٔ کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں پوشیدہ ہے۔ آپ ﷺ کی جامع سیرت اور پختہ کردار کو احادیث اور سیرت کی کتابوں میں اس کی تمام تر تفاصیل کے ساتھ محفوظ کیا گیا ہے۔ قرآنِ مجید جس نوعیت کے معاشرے کا مطالبہ کرتا ہے وہ نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ میں اپنی مکمل اور جامع شکل میں قائم فرمایا۔ اس معاشرت کا محور و مرکز مسجد کے ادارے کی صورت میں ظہور پذیر ہوا۔ اس مسجد سے متعلقہ وظائف پر نگاہ ڈالی جائے تو عجیب اور حیرت انگیز مناظر سامنے آتے ہیں۔ یہ مسجد صدرِ اول میں اسلامی ریاست کا دارالخلافہ رہی۔ یہی مجاہدین کا جنرل ہیڈ کوارٹر بنی۔ یہیں سے اسلامی لشکروں اور ان کے کمانڈروں کو ہدایات ملتی تھیں۔ یہی مسجد اسلامی ریاست کا سول سیکرٹریٹ رہی۔ اس میں اس ریاست کے اموال و محاصل کے لیے بیت المال قائم کیا گیا۔ یہیں پر باہمی تنازعات اور مناقشات کے فیصلوں کے لیے عدالتیں لگتیں۔ اسی مسجد میں تعلیم و تزکیہ کا مقامی دارالعلوم قائم کیا گیا۔ اسی مسجد میں بیرونی علاقوں سے آنے والے غیر مسلم وفود کا استقبال کیا جاتا اور ان کے ساتھ مذاکرات ہوتے اور بالآخر ان سے معاہدات بھی یہیں ترتیب پاتے تھے۔ اِسی مسجد
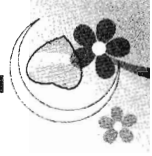
میں مسلمانوں کی معاشرتی سرگرمیاں ترتیب دی جاتیں۔ خوشی اور غم کی تقریبات کا مسنون اسلوب اسی صحنِ مسجد سے متعلق ہوتا۔ اسلامی معاشرت کی پائیدار بنا نکاح سے قائم ہوتی ہے۔ اور نکاح کی تقریبات مسجد ہی میں ادا کی جاتی تھیں۔ الغرض اسلامی معاشرے اور معاشرت کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جس کا تعلق مسجد سے قائم نہ ہو۔ یہی باعث ہے کہ مسجد میں تشکیل پانے والے اعمال اور روایات میں حسنات و برکات کا ایک جہان آباد ہوتا تھا، مگر جوں جوں ہماری معاشرت کے رشتے مسجد سے منقطع ہونے شروع ہوئے، ہماری معاشرت بے روح اور طرح طرح کی کثافتوں سے آلودہ ہوتی چلی گئی اور اب ہماری معاشرت کا مجموعی تأثر اقبال رحمہ اللہ کی زبان میں یوں ترتیب پایا ہے۔ ع

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

گزشتہ کئی صدیوں سے اس امر کی کوشش کی گئی ہے اور اس مقصد کے لیے بہت سی تحریکات بھی اٹھائی گئی ہیں کہ اسلامی معاشرت کے احیا کی شکلیں پیدا کی جائیں، مگر بہ استثنائے چند اس باب میں زیادہ تر کوششیں ناکام ٹھہری ہیں۔ اسلامی معاشرت کے قیام کی یہ کوششیں ناکام یا ادھوری کیوں رہتی ہیں؟ اس کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہماری کوششوں کا رخ سُنَّت کے مطلوبہ منہج سے دور ہے۔

''دارالسلام'' نے امت کی اس اہم ترین دینی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اسلامی معاشرت کے خدوخال کو احادیثِ نبویہ کی روشنی میں جاننے اور متعارف کرانے کی یہ علمی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں یہ حکمت کارملحوظ رکھی گئی ہے کہ اسلامی معاشرت کے آداب واطوار کو احادیث کے ذخیرے سے اخذ کر کے مختلف ابواب اور عنوانات کے تحت جمع کر دیا جائے۔ مقامِ مسرت ہے کہ یہ عظیم دعوتی کام معروف دینی سکالر اور ''تفسیر احسن البیان'' کے مؤلف ''حافظ صلاح الدین یوسف'' نے بہت پختہ شعور کے ساتھ انجام دیا ہے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے اسلامی معاشرت کے بارہ مختلف عنوانات قائم کیے اور ان کے تحت ایک سو پندرہ

حرفِ اول

احادیث کو اکٹھا کر دیا۔ ان احادیث کے انتخاب میں علومِ حدیث کے جس پختہ ذوق اور صحت و استناد کا لحاظ رکھا گیا ہے اس کے باعث اس کتاب کی علمی، تحقیقی اور استنادی حیثیت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔

اسلامی معاشرت کے اسالیب سکھانے کے لیے پہلے ایک حدیث کے عربی متن کو پیش کیا گیا۔ بعدازاں اس کا رواں، سلیس اور شگفتہ ترجمہ کیا گیا، پھر مطالب حدیث کو بھی ایسے دل نشین انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ایک مومن صادق کی فطرتِ صالحہ خودبخود اس تعلیم کو قبول کرنے پر آمادہ دکھائی دیتی ہے۔

اُردو زبان میں یہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد اور مستند کام ہے۔ ہر چند یہ کتاب بچوں کی تعمیرِ سیرت اور صالح تربیت کے نقطۂ نظر سے ترتیب دی گئی ہے مگر اس سے بڑی عمر کی خواتین و حضرات بھی یکساں طور پر استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی مفید تحریر کا دنیا کی مختلف زبانوں میں جلد از جلد ترجمہ بھی ہونا چاہیے تاکہ ہر ملک اور زبان کے جاننے والے مسلمان بچے اس ذخیرۂ علمی سے مستفید ہو سکیں۔

''دارالسلام'' نے اس کتاب کو اپنے روایتی ذوقِ طباعت کے ساتھ آراستہ کر کے شائع کیا ہے۔ کتاب کی موجودہ تزئین و آرائش بچوں میں جہاں احساسِ جمال کی پرورش کا ذریعہ بنے گی، وہاں ان شاءاللہ ان کے ذہنی انقلاب کا ذریعہ بھی ثابت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اسلامی معاشرت کی عملی تشکیل کا ذریعہ اور بچوں کی صالح تربیت کے لیے بہترین سامان بنائے۔ آمین

پروفیسر عبدالجبار شاکر

بیت الحکمت، لاہور

جاتا ہے۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا، انسان بیماری سے دوچار رہتا ہے۔

بیماری میں انسان کو جزع فزع اور اللہ تعالیٰ کا شکوہ نہیں کرنا چاہیے جیسا کہ بعض بے صبرے قسم کے آدمی کرتے ہیں بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ بیماری میں بھی ایک گونہ فائدہ ہے کہ انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں لیکن ناشکری اور واویلا کرنے سے انسان اجر وثواب کے بجائے گناہ کا مستحق ٹھہرتا ہے، اس لیے بیماری میں صبر وشکر اور رضا بالقدر کا مظاہرہ ضروری ہے۔

عرضِ مؤلف

زیرِ نظر کتاب منتخب احادیث کا ایک گل دستہ ہے ان احادیث کا زیادہ تر تعلق آدابِ زندگی، یعنی معاشرت سے ہے۔ اسی لیے اسے ''اسلامی آدابِ معاشرت'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں درج ذیل باتوں کا خصوصی التزام کیا گیا ہے:

- ابتدا میں حدیث کے مختصر جملے نقل کیے گئے ہیں حتی کہ کوئی لمبی حدیث ہے، تو اسے بھی کئی جملوں اور کئی عنوانات میں بیان کیا گیا ہے تا کہ یہ جملے بچے آسانی کے ساتھ حفظ یا ذہن نشین کر سکیں۔
- صرف وہی احادیث نقل کی گئی ہیں جو سنداً صحیح ہیں، غیر صحیح احادیث سے اجتناب کیا گیا ہے۔
- احادیث کے مکمل حوالے دیے گئے ہیں حتی کہ جو احادیث تشریحات کے ضمن میں آئی ہیں وہ بھی بے حوالہ نہیں ہیں۔
- تشریح و توضیح میں طوالت سے کام لیا گیا ہے نہ بالکل اختصار سے بلکہ ان کے بین بین صورت اختیار کی گئی ہے۔
- یہ احادیث مع تشریحات و توضیح، قریب البلوغ بچوں کی ذہنی استعداد و صلاحیت اور ان کی شرعی ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے مرتب کی گئی ہیں۔ تاہم بالغ خواتین و حضرات بھی اس سے یکساں طور پر پوری طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔
- یہ کتاب نویں، دسویں کے طلبا و طالبات، فہمِ قرآن کے کورسوں میں شامل ہونے والے افراد اور لڑکیوں کے اُن مدارسِ دینیہ کے نصاب میں بھی شامل کی جا سکتی ہے جنھوں نے

باب : 4

عرضِ مؤلف

بچیوں کے لیے مختصر اسلامی کورس مرتب کیے ہوئے ہیں۔
اللہ تعالیٰ اس کتاب کو سب کے لیے مفید، صحیح رہنمائی کا ذریعہ اور مصنف و ناشر، جملہ معاونین اور سب استفادہ کرنے والوں کے لیے اخروی نجات کا باعث بنائے۔ ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!

حافظ صلاح الدین یوسف
مدیر: شعبۂ تحقیق وتالیف
دارالسلام، لاہور

حدیث: 38

مومن، مومن کا آئینہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ»

''مومن، مومن کا آئینہ ہے۔''[1]

آئینہ، ایک ایسا آلہ ہے جس میں انسان کے چہرے کے سارے خدوخال اور حسن و قبح نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک یہی معاملہ ایک مومن کا دوسرے مومن کے ساتھ ہوتا ہے، یعنی ایک مومن کے اندر کوئی کمزوری یا کوتاہی ہو تو دوسرا مومن بھائی اس سے اسے آگاہ اور خبردار کر دیتا ہے تاکہ وہ اس کی اصلاح کر لے۔

یہ خیر خواہی کی بہترین صورت ہے۔ آئینہ خاموشی سے عیبوں کی نشاندہی کر دیتا ہے اور انسان ان کی اصلاح کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک مومن کو دوسرے مومن بھائی کی کمزوریاں نہایت خاموشی اور راز دارانہ انداز سے واضح کر دینی چاہییں۔ ان کی تشہیر کر کے اسے بدنام نہ کرے۔ یہ سخت گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی پردہ پوشی کرنی چاہیے نہ کہ پردہ دری۔ اسی طرح عیبوں کی ٹوہ میں بھی نہیں رہنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے اس سے بھی مسلمانوں کو منع فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے پردہ پوشی کی یہ فضیلت بیان فرمائی ہے:

«مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في النصيحة والحياطة، حديث:4918

باب : 1
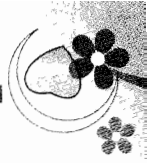
''جس نے کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالا، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے عیبوں پر پردہ ڈال دے گا۔''[1]

اس لیے ایک مسلمان کی کمزوری دوسرے مسلمان کے علم میں آئے تو اسے نصیحت کے طور پر اس سے اس کو آگاہ کر دینا بہت اچھا فعل ہے تاکہ اگر وہ اپنی اصلاح کرنا چاہے تو کر لے اور اگر اصلاح نہیں کرے گا تو اس کو تو وعظ و نصیحت کا اجر بہر حال مل جائے گا۔ لیکن کسی عیب کو بنیاد بنا کر مسلمان کو بدنام کرنا اور اس کی تشہیر کرنا، یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں خیر خواہی نہیں، بدخواہی ہے۔

ایک مسلمان کا کردار دوسرے مسلمان کے لیے خیر خواہانہ ہونا چاہیے نہ کہ بدخواہانہ۔ ایک آئینے کی طرح خاموش مبلغ اور واعظ کا ہونا چاہیے نہ کہ ڈھنڈورچیوں اور ذلیل و رسوا کرنے والوں جیسا۔

[1] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، حديث : 2699

حدیث:1

فہمِ دین، سب سے بڑی نعمت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ»

''جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔''[1]

دین پورے نظامِ زندگی کا نام ہے جس میں تجارت و معیشت بھی ہے اور سیاست و معاشرت بھی، اخلاقیات بھی ہیں اور معاملات بھی، حقوق و فرائضِ انسانی کی تفصیلات بھی ہیں اور روح و باطن کی تسکین و اصلاح کے لیے عبادات کا سلسلہ بھی۔ جب ایک انسان کو تمام معاملات میں وحیِ الٰہی کی روشنی نصیب ہو جاتی ہے تو پھر اس کا ہر قدم صحیح سمت میں اٹھتا ہے۔ اس کا زاویۂ فکر کجی سے محفوظ اور شاہراہِ زندگی کے تمام سنگ ہائے میل اس پر واضح ہو جاتے ہیں۔ وہ اخلاق و کردار کے اس سانچے میں ڈھل جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ اس کی داخلی و خارجی زندگی پر کسی زیغ و ضلال کا سایہ نہیں پڑتا۔ وہ ایک امن پسند شہری، ایک دیانت دار تاجر اور ایک عادل حکمران ہوتا ہے۔ ایک کامیاب شوہر، خیر خواہ باپ اور غم خوار دوست ہوتا ہے۔ غرض وہ معاشرے میں جس حیثیت کا بھی حامل ہوتا ہے، اسے خیر و خوبی کے ساتھ نبھانے والا ہوتا ہے۔

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب النهي عن المسألة ، حديث : 1037

حدیث:39

حیا، مومن کا امتیازی وصف

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ»

''حیا ایمان کا ایک حصہ ہے۔''[1]

شرم و حیا ایک ایسا جذبہ ہے جو انسان کو گناہوں اور غلط کاریوں سے روکتا ہے، اسی لیے ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ»

''جب تو شرماتا نہیں، تو جو چاہے کر۔''[2]

یہ ہر قسم کا کام کرنے کی اجازت یا حکم نہیں ہے بلکہ مقصد یہ بتلانا ہے کہ جب انسان بے حیا ہو جاتا ہے تو پھر اسے کوئی بھی کام کرنے میں حجاب اور تأمل نہیں ہوتا۔ بے حیائی ہر بُرے سے بُرا کام کرنے کا پروانۂ اجازت ہے۔ اسی بات کو ایک فارسی مصرعے میں اس طرح کہا گیا ہے۔ ع

بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

(یعنی بے حیا ہو جا اور پھر جو چاہے کر)

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب الحياء، حديث:6118، وصحيح مسلم، الإيمان، حديث:36، واللفظ له

[2] صحيح البخاري، الأدب، باب إذا لم ...... ، حديث : 6120

انسان میں مذکورہ خوبیاں کس چیز سے پیدا ہوتی ہیں؟ دینِ اسلام کی تعلیمات کو سمجھنے اور انھیں عملاً اپنانے سے۔ جسے دین کی سمجھ حاصل ہوگئی، حلال وحرام کا امتیاز اس کے سامنے واضح ہوگیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حلال راستے کا تعین کر کے اسے اختیار کرلیا اور حرام سے دامن کشاں رہا، نیز اللہ تعالیٰ کی عبادت کو بھی اپنی زندگی کے معمولات کا ایک حصہ بنالیا تو سمجھ لو کہ وہ دین و دنیا کی سعادتوں کا امین بن گیا، ہلاکت و بربادی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے بچ گیا، جہنم کے گڑھے سے نکل گیا اور جنت کی ابدی راحتوں اور لازوال نعمتوں کا مستحق قرار پا گیا، اس لیے بھلائی، دولت کے ڈھیر میں نہیں ہے، وزارت وصدارت اور گورنری کے منصب میں نہیں ہے، سر بفلک عمارتوں اور خوش نما کوٹھیوں میں نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف دین کی سمجھ حاصل ہو جانے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو اپنے دین یعنی دینِ اسلام کی سمجھ دے دی اور اسے عملاً اپنانے کی توفیق سے نواز دیا، یقیناً اس کو اس نے بھلائیوں سے مالا مال کر دیا۔ جَعَلَنَا اللّٰہُ مِنۡھُم۔
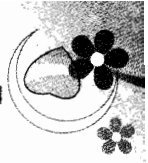
اس لیے حیا کی بڑی اہمیت ہے۔ جس طرح تقوی (اللہ کا ڈر) انسانوں کو گناہوں سے روکتا ہے، اسی طرح حیا بھی معصیت کاری سے روکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کا گزر ایک آدمی کے پاس سے ہوا، جب کہ وہ اپنے بھائی کو اس کے شرمیلے پن پر ڈانٹ کر کہہ رہا تھا ''تو بہت شرم کرتا ہے'' گویا یہ کہہ رہا تھا کہ شرم تیرے لیے نقصان دہ چیز ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے، اس لیے کہ حیا ایمان کا حصہ ہے۔''[1]

آج اسلامی معاشروں سے حیا کے جذبے ختم کرنے کی منظّم کوششیں ہو رہی ہیں۔ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات بڑی ڈھٹائی سے یہ کام انتہائی وسیع پیمانے پر کر رہے ہیں اور یوں اسلام دشمن طاقتوں کی سازشوں کو کامیابی سے ہمکنار کر رہے ہیں۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان تمام لغویات اور غارت گرانِ ایمان و اخلاق سے دور رہیں اور گھروں کو مخرب اخلاق آلات و اسباب سے پاک رکھیں۔ یہ حیا و عفت کے تصور کو ختم کر کے نسل نو کو ایمان و اخلاق سے محروم کر رہے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهَا

[1] صحیح البخاری، الأدب، باب الحیاء، حدیث:6118

حدیث:2

دین، ایک جذبۂ خیر سگالی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ»

''دین خیر خواہی کا نام ہے۔''[1]

نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ایسے ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا:

«اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ»

''حج، عرفے کا نام ہے۔''[2]

یعنی عرفات میں وقوف حج کا اہم ترین رکن ہے اور اس کے بغیر حج صحیح نہیں۔ اسی طرح خیر خواہی دین کا اہم ترین فریضہ ہے، جس شخص کے اندر خیر خواہی کا جذبہ نہیں، اس کا دین خام ہے۔

حدیث میں اس کی مزید تفصیل بیان ہوئی ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ''لِمَنْ'' کس کی خیر خواہی کرنی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے حکمرانوں کی اور عام مسلمانوں کی۔''

اللہ کی خیر خواہی کا مطلب، اس پر ایمان لانا، اخلاص کے ساتھ اس کی عبادت کرنا اور

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، حديث: 55

[2] مسند أحمد: 309/4، وصحيح الجامع الصغير، حديث: 3172

حدیث: 40

مومن کی خوبی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُؤْمِنُ يَأْلَفُ وَيُؤْلَفُ»

''مومن الفت کرتا ہے اور الفت کیا جاتا ہے۔''[1]

- ایک مومن اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا خیر خواہ ہوتا ہے، بدخواہ نہیں۔
- وہ دوسروں کے لیے بھی وہی کچھ پسند کرتا ہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔
- وہ کسی کو مشورہ دیتا ہے تو اپنی دانست کے مطابق صحیح مشورہ دیتا ہے۔
- وہ کسی کے ساتھ دھوکے اور فریب کا معاملہ نہیں کرتا۔
- کسی سے جھوٹ نہیں بولتا۔
- وہ دوسرے مسلمانوں کے دکھ درد میں شریک اور ان کا غم خوار ہوتا ہے۔
- وہ ایک اچھا پڑوسی، اچھا دوست، اچھا رفیق سفر اور اچھا رشتے دار ہوتا ہے۔
- وہ ایک دیانت دار افسر، فرض شناس ملازم اور محنتی مزدور ہوتا ہے۔
- وہ محنت کشوں سے پیار کرنے والا آقا یا آقا کا وفادار ملازم اور مزدور ہوتا ہے۔
- وہ اپنی زبان یا ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔
- وہ غریبوں کا ملجا، یتیموں کا ماویٰ اور بے سہاروں کا سہارا ہوتا ہے۔
- وہ بڑوں کی عزت کرتا اور چھوٹوں سے پیار اور شفقت کرتا ہے۔

---

[1] مسند أحمد:335/5، وصححه الألباني في السلسلة الصحيحة، حديث:426

اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ہے۔ اس میں دراصل انسان کی اپنی خیر خواہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو کسی بھی ناصح کی خیر خواہی کا محتاج نہیں۔

کتاب اللہ کی خیر خواہی یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا کلام اور اسی کی طرف سے نازل شدہ سمجھا جائے۔ اس کی تلاوت' اس پر عمل کا التزام اور اس میں لفظی و معنوی تحریف سے اجتناب کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی خیر خواہی آپ کی رسالت کی تصدیق، آپ کے احکام کی اطاعت اور آپ کی سنت و شریعت کا اتباع کرنا ہے۔

امراء و حکام کی خیر خواہی یہ ہے کہ حق باتوں میں ان کے ساتھ تعاون کیا جائے اور معصیت کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں ان کی اطاعت کی جائے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ان کو سیدھا رکھنے کی سعی کی جائے اور ان کے خلاف خروج و بغاوت سے گریز کیا جائے اِلّا یہ کہ ان سے کفریہ عقائد یا اعمال کا اظہار ہو۔

اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی یہ ہے کہ ان کو بھی ایسے مشورے دیے جائیں جن میں ان کی بھلائی ہو اور ان کے لیے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ خیر خواہی کی بڑی اہمیت ہے، یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بیعت لیتے وقت جن باتوں کی تاکید فرمایا کرتے تھے، ان میں ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا بھی شامل ہوتا تھا۔ جیسے حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز کے قائم کرنے، زکاۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

علاوہ ازیں قرآنِ مجید میں بھی ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾

یہ ساری خوبیاں ایک مومن کے اندر کیوں ہوتی ہیں؟ اس لیے کہ وہ ہر ایک سے الفت اور پیار کرتا ہے اور یہ ساری خوبیاں الفت ہی کی متقاضی ہیں اور جب وہ الفت کے تقاضوں کو مذکورہ خوبیوں میں ڈھال لیتا ہے تو وہ محبوبِ خلائق بن جاتا ہے، لوگوں کی آنکھوں کا تارا اور دلوں کا سرور بن جاتا ہے اور سب لوگ اس سے پیار اور الفت کرتے ہیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«وَلَا خَيْرَ فِيمَنْ لَّا يَأْلَفُ وَلَا يُؤْلَفُ»

''اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو الفت کرتا ہے نہ الفت کیا جاتا ہے۔''[1]

[1] مسند أحمد: 335/5، وصححه الألباني في السلسلة الصحيحة، حديث: 426

''سب مومن آپس میں بھائی ہیں۔''①

اور حدیث میں فرمایا گیا ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''②

تو اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ ایسا ہی برادرانہ، ہمدردانہ اور خیر خواہانہ معاملہ کیا جائے جیسا وہ دوسروں سے اپنے لیے چاہتا ہے۔

اگر مسلمان اس سبق کو اچھی طرح یاد کر لیں اور اسے اپنی عملی زندگی میں اپنا لیں تو یقیناً کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ دھوکا اور فریب نہ کرے گا اور نہ کوئی ایسا رویہ اختیار کرے گا جس سے دوسرے مسلمان کو دکھ یا نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔

① الحجرات 10:49

② صحیح البخاری،الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لأخیه ...... ، حدیث : 13، و صحیح مسلم،الإیمان، باب الدلیل علی أن من خصال الإیمان...... ، حدیث :45

اکرامِ ضیف، ایمان کی علامت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»

''جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ مہمان کی عزت کرے۔''[1]

مہمان کی عزت کرنے کا مطلب ہے، اسے خندہ پیشانی سے ملے، اس کا خیر مقدم کرے اور اپنی طاقت کے مطابق پہلے روز اس کی خوب مدارات اور تواضع کرے، البتہ دوسرے اور تیسرے دن معمول کے مطابق ماحضر پیش کرتا رہے۔ مہمان کو بھی تاکید ہے کہ وہ کسی کے گھر تین دن سے زیادہ قیام نہ کرے۔ زیادہ قیام کی صورت میں ممکن ہے میزبان کو تکلیف ہو اور اسے زیر بار ہونا پڑے۔

مہمان نوازی، حسن سلوک ہی کی ایک صورت ہے۔ رشتے داروں کے ساتھ صلۂ رحمی اور حسن سلوک کی تاکید ہے۔ اگر ایک دوست یا رشتے دار گھر آ جائے اور چند دن اسے قیام کرنا پڑ جائے تو گھر آئے ہوئے رشتے دار کا احترام اور اس کی انسانی ضروریات پوری کرنے کا اہتمام نہ کیا جائے تو ظاہر بات ہے کہ یہ حسن سلوک کے منافی طرز عمل ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ طرزِ عمل اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر بھی عدم اعتماد اور عدم یقین کا مظہر ہوگا اور یہ دونوں باتیں ہرگز

[1] صحیح مسلم، اللقطة، باب الضیافة ونحوها، حدیث: 48 قبل: 1727

حدیث:3

پیغامِ اخوت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ»

''آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔''[1]

یہ نبیٔ کریم ﷺ کی بڑی اہم حدیث ہے، اس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''تم اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤ گے جب تک ایمان نہیں لاؤ گے اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم اسے اپنا لو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے (وہ یہ ہے کہ) آپس میں سلام پھیلاؤ۔''

اس سے معلوم ہوا کہ آپس میں کثرت سے سلام کرنا اور اسے پھیلانا باہمی محبت کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور مومنوں کے درمیان باہمی محبت ایمان کی علامت ہے جو جنت میں جانے کی واحد بنیاد ہے۔ سلام کے مختصر احکام حسب ذیل ہیں:

- سلام شناسا اور غیر شناسا ہر مسلمان کو کیا جائے۔
- سوار، پیدل چلنے والے کو، چلنے والا، بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے افراد زیادہ افراد کو سلام کریں۔

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أنه لا يدخل الجنة ......، حديث: 54

ایک مسلمان کے شایان شان نہیں۔ اسی لیے حدیث کے انداز بیان سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والا مہمان نوازی میں کوتاہی نہیں کرے گا اور جو کوتاہی کرے گا تو یہ گویا اس کے ایمان کی کمزوری ہے۔

- گھر میں آتے جاتے بیوی بچوں کو، اسی طرح مجلس میں آتے اور جاتے دونوں صورتوں میں سلام کیا جائے۔
- یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے، ان کے سلام کے جواب میں صرف وَعَلَيْكُمْ کہا جائے۔
- جہاں فتنے کا اندیشہ نہ ہو وہاں عورت مرد کو اور مرد عورت کو سلام کر سکتا ہے۔
- دو روٹھے ہوئے دوست، رشتے دار اور بھائی بند، ان میں سے جو سلام میں پہل کرے گا، وہ فضیلت کا مستحق ہوگا۔
- اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے جواب میں وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کا اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کے جواب میں وَبَرَكَاتُهُ کا اضافہ کرنا مستحب ہے۔ تاہم وَبَرَكَاتُهُ کے بعد وَمَغْفِرَتُهُ کا اضافہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے۔[1]
- سلام کے لیے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے الفاظ کی جگہ، آداب عرض، نمستے، شب بخیر یا گڈ مارننگ وغیرہ کے الفاظ قطعاً استعمال نہ کیے جائیں۔ جو معنوی جامعیت، وسعت اور گہرائی اسلام کے بتلائے ہوئے الفاظ میں ہے وہ کسی اور لفظ میں ہرگز نہیں، نہ اس میں کوئی اجر و ثواب ہے، بلکہ گناہ کا باعث ہے۔

[1] التاريخ الكبير للبخاری 1-1-330، وصححه الألبانی فی الصحيحة، رقم الحديث: 1449

حدیث: 42

ایمان پر ثابت قدمی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قُلْ آمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ»

''کہہ، میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر ثابت قدم رہ۔''[1]

نبی ﷺ نے یہ بات حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی۔ انھوں نے آپ ﷺ سے پوچھا؟ اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتلا دیں کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے تو آپ ﷺ نے مذکورہ بات فرمائی۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب اسے الٰہ واحد تسلیم کرنا ہے، یعنی آدمی صرف اسی کی عبادت اور اطاعت کرے اور اس پر اس طرح استقامت اختیار کرے کہ دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے لیکن وہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرے نہ کسی اور کی اطاعت۔ اسی میں انسان کی نجات اور دین و دنیا کی سعادت ہے۔ اور جب انسان اس بات کو اپنے عقیدہ و عمل کی بنیاد بنا کر اس پر جم جاتا ہے اور اس سے سرمو انحراف نہیں کرتا تو پھر اسے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اس کا سفر صراطِ مستقیم پر جاری رہتا ہے تا آنکہ وہ اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو جاتا ہے۔

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب جامع أوصاف الإسلام، حدیث: 38

اسلامی بھائی چارہ اور اس کے تقاضے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ»

''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔''[1]

اسی حدیث میں مسلمانوں کی باہمی اخوت اور بھائی چارے کے تقاضے ان الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں:

''ایک مسلمان، دوسرے مسلمان پر ظلم کرے، نہ اسے بے یارومددگار چھوڑے۔ جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں اس کی مدد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت میں اس کا مدد گار ہوگا۔ جو کسی مسلمان کی مصیبت دور کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بدلے میں قیامت کی پریشانیوں میں سے کسی پریشانی سے نجات عطا فرمائے گا۔ جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔''

مدد سے مراد، مال سے، عہدہ ومنصب سے، جائز سفارش سے یا اسی قسم کے کسی اور طریقے سے مسلمان کی مدد کرنا ہے۔ پردہ پوشی جو مستحب ہے، وہ یہ ہے کہ نیکی اور پارسائی میں معروف کسی شخص سے بہ تقاضائے بشریت کسی غلطی، کوتاہی کا صدور ہو جائے تو اسے بیان نہ کیا جائے بلکہ اس پر پردہ ڈال دیا جائے۔ تاہم جو شخص فسق وفجور میں مبتلا ہو، اس کے برے کردار کو ضرور

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم الظلم، حدیث :2580
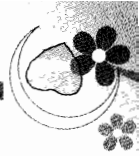
حدیث: 43

طاقتور اور کمزور مومن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَّأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ»

''طاقت ور مومن کمزور مومن سے زیادہ بہتر اور اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔''[1]

یہاں طاقت وقوت سے مراد نفس کی عزیمت اور آخرت کے معاملے میں اس کی مستعدی ہے کیونکہ جس کے اندر یہ وصف ہو گا، وہ یقیناً جہاد میں بھی سرگرمی سے حصہ لے گا۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی نہایت جرأت مندی اور حوصلے سے ادا کرے گا۔ اس راہ کی تمام تکلیفیں اور مشقتیں بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرے گا، اسی طرح نماز، روزہ اور دیگر تمام عبادات میں شوق اور رغبت سے حصہ لے گا اور ان میں سستی و کاہلی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔ ایسی ہی خوبیوں سے آراستہ مومن طاقت ور مومن ہے جو اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔

اس کے مقابلے میں کمزور مومن وہ ہے جس میں عزیمت کی کمی ہے جس کی وجہ سے وہ تمام مذکورہ امور میں سرگرمی سے حصہ لینے کی بجائے رخصتوں کی تلاش میں رہے اور آسانی و گریز کی راہیں اختیار کرے۔ ایسا شخص ظاہری ڈیل ڈول کے اعتبار سے چاہے بڑا گرانڈیل اور دیوہیکل

[1] صحيح مسلم، القدر، باب الإيمان بالقدر والإذعان له، حديث: 2664

بیان کیا جائے تا کہ لوگ اس سے نفرت کریں اور اس کو گناہوں پر مزید حوصلہ و جسارت نہ ہو۔ بلکہ اگر فساد کا خوف نہ ہو تو حاکمانِ بااختیار کو بھی ان کے برے کردار سے آگاہ کیا جائے تا کہ وہ حدود و تعزیرات کے ذریعے سے ان کا قلع قمع کریں۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اخوت کا یہ تقاضا بیان فرمایا:

''آدمی کو اپنے بھائی کی ضرور مدد کرنی چاہیے، وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر وہ ظالم ہے، تو اسے ظلم سے روکے، اسے ظلم سے روکنا ہی اس کی مدد ہے۔ اور اگر مظلوم ہے تو اس کی مدد کرے۔''[1]

اسی بھائی چارے کا تقاضا ہے کہ مسلمان بھائی بیمار ہے تو اس کی عیادت کی جائے۔ وہ علاج کی استطاعت سے محروم ہو تو اس کا علاج کرایا جائے۔ بے لباس ہو تو اس کے لیے لباس کا، بھوکا ہو تو روٹی کا، بے مکان ہو تو مکان کا حتی کہ بے بیوی کے ہو تو بیوی کا انتظام بھی کیا جائے۔

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب نصر الأخ ظالما أو مظلومًا، حدیث: 2584

انسان ہو لیکن اللہ کے ہاں وہ ضعیف مومن ہے جو درجے اور شرف وفضل میں پہلے سے کم تر ہے، تاہم اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [وَفِيْ كُلٍّ خَيْرٌ] ''اور ہر ایک میں بھلائی ہے'' یعنی اگرچہ فضل و درجات میں مومن قوی اور مومن ضعیف میں فرق و تفاوت ہے لیکن بہر حال ہیں دونوں مومن اور ایمان کے اعتبار سے دونوں میں بھلائی ہے کیونکہ ایمان میں دونوں مشترک ہیں۔

حدیث:5

اسلامی رویہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ»

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے (دوسرے) مسلمان محفوظ رہیں۔''[1]

اس میں بھی اسلامی اخوت کے تقاضوں کا بیان ہے۔ جب مسلمان بھائی بھائی ہیں تو پھر کسی مسلمان کی زبان یا ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو تکلیف کیوں پہنچے؟ گویا ایک مسلمان کو کسی مسلمان کی بابت زبان سے ایسی بات نہیں نکالنی چاہیے جس سے اسے تکلیف پہنچے، مثلاً: اسے گالی دے، اس کی غیبت اور بدگوئی کرے، اس پر الزام تراشی اور افترا پردازی کرے، اسے کسی بات کا طعنہ دے۔ ایک مسلمان کو ان تمام باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اسی طرح کوئی ایسا اقدام نہ کرے جس سے کسی مسلمان کا نقصان ہو۔ اسے دھوکا نہ دے، اس کے ساتھ بددیانتی نہ کرے، اس کی جان، مال اور عزت وآبرو پر دست درازی نہ کرے وغیرہ وغیرہ۔

اس مفہوم کو ایک دوسری حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ»

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام وأيّ أموره أفضل، حديث :41
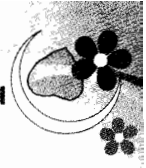
حدیث :44

اہل ایمان کا باہم تعلق

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا»

''مومن، مومن کے لیے عمارت کی مثل ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔''[1]

جس طرح کسی عمارت میں ایک اینٹ دوسری اینٹ سے پیوستہ ہو کر، اسی طرح ایک دیوار دوسری دیوار سے اور ایک حصہ دوسرے حصے سے باہم مل کر ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث ہوتے ہیں، یہی حال آپس میں مومنوں کا ہوتا ہے۔ وہ بھی ایک دوسرے کے دست و بازو اور باہم معاون و غم خوار ہوتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں اس مضمون کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ، مَثَلُ الْجَسَدِ، إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ، تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى»

''مومنوں کی مثال ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے، باہم رحم و کرم کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ نرمی و شفقت کرنے میں ایک انسانی جسم کی طرح ہے۔ جب جسم کا کوئی ایک حصہ درد محسوس کرتا ہے تو اس کی وجہ سے سارا جسم بخار اور بے خوابی میں

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين ...... ، حدیث :2585

’’تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔‘‘[1]

جب ایک شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کوئی دھوکے یا فریب کا معاملہ کرے یا اس کی تذلیل واہانت کرے یا اسے کسی قسم کا نقصان پہنچائے تو اسے بھی چاہیے کہ وہ بھی کسی کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرے جس میں دھوکا ہو، اس کی ذلت ورسوائی ہو یا اس کا نقصان ہو۔ ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ»

’’وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا، جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔‘‘[2]

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان...... ، حديث :45

[2] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تحريم إيذاء الجار ، حديث :46

مبتلا ہو جاتا ہے۔''[1]

ایک دوسری روایت میں اس طرح فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُونَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ، إِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهُ، اشْتَكٰى كُلُّهُ، وَإِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهُ، اشْتَكٰى كُلُّـهُ»

''مسلمان ایک آدمی کی طرح ہیں۔ اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے اور اس کے سر میں تکلیف ہوتی ہے تب بھی اس کا پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے۔''[2]

مومنوں کو بھی اسی طرح ایک دوسرے کا سہارا اور دکھ درد میں ایک دوسرے کا شریک ہونا چاہیے۔

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين......، حديث:2586

[2] صحیح مسلم، البر والصلة، باب تراحم المؤمنين وتعاطفهم وتعاضدهم، حديث:2586

حدیث:6

حسن اسلام کی دلیل

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ»

''آدمی کا بے فائدہ باتوں کو چھوڑ دینا، اس کے حسنِ اسلام کی دلیل ہے۔''[1]

فائدے سے مراد وہ فائدہ ہے جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے، ورنہ یار لوگوں کو شراب، جوا، سود، بددیانتی، ملاوٹ اور لوٹ کھسوٹ میں بھی فائدہ نظر آتا ہے، اسی طرح تاش، شطرنج بازی، کبوتر بازی، پتنگ بازی اور فلم بینی جیسے بے ہودہ کاموں میں تفریح کا فائدہ نظر آتا ہے۔ لیکن اخلاقی اعتبار سے یہ سب کام سخت نقصان دہ اور معاشرے کے لیے تباہ کن ہیں۔ ٹیلی ویژن میں بھی لوگوں کو بعض فائدے دکھائی دیتے ہیں لیکن دوسری طرف اس سے دین و اخلاق کی جو تباہی ہو رہی ہے، وہ لوگوں کو نظر نہیں آتی، حالانکہ اس تباہی کے مقابلے میں اس کے مبینہ فوائد کا کوئی تناسب ہی نہیں۔

بہر حال جس شخص کے دل میں اسلام صحیح طریقے سے راسخ ہو جائے اور اسے اسلام کا صحیح فہم حاصل ہو جائے تو اس کے نزدیک مذکورہ فائدے، فائدے نہیں بلکہ لایعنی چیزیں ہیں جنھیں وہ ترک کر دیتا اور ان سے اپنا دامن بچا کر رکھتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ مذکورہ لایعنی کاموں کو اہمیت دینے یا اختیار کرنے والے، اسلام کی صحیح سمجھ بوجھ سے محروم ہیں اور ان کا اسلام سرسری سا ہے اور حقیقی اسلام سے وہ دور ہیں۔

---

[1] جامع الترمذی، الزھد، باب من حسن إسلام المرء ترکه مالا یعنیه، حدیث: 2318,2317

مومن کی مثال

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِ مَثَلُ النَّخْلَةِ»

''مومن کی مثال کھجور کے درخت کی طرح ہے۔''[1]

مجمع الزوائد کی روایت میں اس کے بعد ہے: [مَااَتَاكَ مِنهَا نَفعَكَ] ''کھجور کے درخت کی ہر چیز تیرے لیے فائدہ مند ہے۔''

صحیح بخاری میں یہ بات ایک واقعے کی شکل میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے، وہ مسلمان کی مثال ہے، مجھے بتلاؤ وہ درخت کونسا ہے؟ لوگوں کا ذہن جنگل کے مختلف درختوں کی طرف گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میرے جی میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں شرم کی وجہ سے نہیں بولا۔ پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہمیں بتلائیے کہ وہ کون سا درخت ہے؟ آپ نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے۔''[2]

اس مجلس میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جیسے کبار صحابہ بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اس

---

① المستدرك للحاكم:513/4،75/1، وانظر: مجمع الزوائد:83/1

② صحيح البخاري، العلم،باب قول المحدث:حَدَّثَنَا،وَ أَخبَرَنَا، وَأَنبَأَنَا،حديث:61

حدیث:7

امانت کی اہمیت اور اس کا مفہوم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا إِيمَانَ لِمَنْ لَّا أَمَانَةَ لَهُ»

''اس کا ایمان نہیں جس کے اندر امانت نہیں۔''[1]

امانت کے کئی مفہوم ہیں:

1. ایک تو وہ چیز امانت ہے جو کسی نے کسی کے پاس بطور حفاظت رکھوائی۔ رکھوانے والا جب بھی طلب کرے، اسے اس کی وہ چیز واپس کر دی جائے۔ یہ امانت ہے اور واپس نہ کرنا خیانت ہے۔ ایک مومن کا امتیاز یہی ہے کہ وہ امین ہو، یعنی امانت کی حفاظت کرنے والا اور عندالطلب لوٹا دینے والا۔ اس کے برعکس، خیانت کرنا منافق کا شیوہ ہے۔
2. عہدہ ومنصب ایسے لوگوں کو دینا جو اس کے اہل ہوں۔ محض پارٹی بازی، صلۂ وفاداری یا رشوت کے نتیجے اور پاسِ قرابت میں عہدوں کی تقسیم اور بندر بانٹ خیانت ہے۔ آج کل کی حکومتوں میں یہ خیانت عام ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت میں یہی حکم ہے کہ عہدے اہل لوگوں کو دیے جائیں:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾

''اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کو ادا کر دو۔''[2]

---

[1] مسند أحمد:135/3 ، وصحيح الجامع الصغير، حديث : 7179

[2] النساء 4 : 58

وقت چھوٹے تھے، اس لیے ان کے ذہن میں سوال کا صحیح جواب تو آ گیا تھا لیکن کم سنی کی وجہ سے اُنھیں شرم آ گئی اور بڑوں کی موجودگی میں انھیں بولنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ بعد میں انھوں نے اپنے والد عمر رضی اللہ عنہ کو بتلایا، تو انھوں نے فرمایا، اگر تو اُس وقت بول کر بتلا دیتا تو مجھے اتنی خوشی ہوتی کہ اتنی خوشی سرخ اونٹ ملنے سے بھی نہ ہوتی۔

اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کھجور کا درخت بابرکت ہے اور اس کی ہر چیز کار آمد ہے، ایک تو اس کا پھل تیار ہونے سے لے کر خشک ہونے تک کئی مرحلوں میں استعمال میں آتا ہے۔ اس کے پتوں، تنوں، چھڑیوں (ٹہنیوں) اور چھال وغیرہ، غرض اس کی ہر چیز سے کئی کام لیے جاتے ہیں حتی کہ اس کی گٹھلی بھی کار آمد ہے۔ اسی طرح مومن کا وجود بھی بابرکت ہے اور لوگوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچتا ہے حتی کہ مرنے کے بعد بھی اس کی فیض رسانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، بشرطیکہ مومن، مومن بن کر زندگی گزارے، محض نام کا مومن نہ ہو۔

اس لیے ہم میں سے ہر شخص کو مومن کامل بننے کی سعی کرنی چاہیے تاکہ ہمارا وجود معاشرے میں خیر و برکت کا باعث ہو۔

اس کا مطلب اہل تر لوگوں کو عہدہ و منصب دینا ہے۔ کوٹہ سسٹم بھی امانت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں بھی اہل تر افراد کے بجائے، دوسرے علاقائی، سیاسی، گروہی اور ذاتی وجوہ کی بنیاد پر لوگوں کو ترجیح دی جاتی ہے جو مذکورہ حکمِ امانت کے خلاف ہے۔

③ اپنی مفوضہ ڈیوٹی صحیح طریقے سے ادا کرنا۔ اپنا طے شدہ معاوضہ پورا وصول کر لینا لیکن اپنی ڈیوٹی ادا کرنے میں جان بوجھ کر کوتاہی کرنا، یہ بھی خیانت ہے۔ یہ خیانت ہمارے سرکاری اداروں میں بالخصوص اور دیگر اداروں میں بالعموم پائی جاتی ہے۔

④ دوسرے کی باتیں سن کر اپنے تک محدود رکھنا، اسے لوگوں کے درمیان بیان نہ کرنا۔ اسی مفہوم کو اس حدیث میں بیان کیا گیا:

«اَلْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ»

''مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں۔''[1]

یعنی مجلس میں کسی کی بابت کچھ باتیں ہوئی ہوں تو وہ باتیں اپنی ذات تک محدود رکھو۔ انھیں سن کر متعلقہ آدمی کو نہ پہنچاؤ۔ اس سے اس کے دل میں موجود بغض و عناد میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ ایک اور حدیث میں اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

«إِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ بِالْحَدِيثِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ أَمَانَةٌ»

''جب آدمی کوئی بات کر کے مڑ کر دیکھے (کہ کسی نے سنی تو نہیں) تو وہ بات امانت ہے۔''[2]

یعنی بات کرنے کے بعد اس کا مڑ کر دیکھنا، یہ اس بات کے قائم مقام ہے کہ وہ یہ کہے: ''یہ بات میرے حوالے سے کسی کے سامنے نہ کرنا، یہ تیرے پاس میری امانت ہے۔''

البتہ تین باتیں مستثنیٰ ہیں: ناجائز خون ریزی، بدکاری یا چوری اور ڈاکہ زنی۔ یعنی کسی مجلس میں

---

[1] سنن أبی داود، الأدب، باب فی نقل الحدیث، حدیث: 4869، و صحیح الجامع الصغیر، حدیث: 6678

[2] سنن أبی داود، الأدب، باب فی نقل الحدیث، حدیث: 4868

باب : 5

یہ سوچ بچار کی جائے کہ فلاں شخص کو قتل کرنا ہے، یا فلاں عورت کے ساتھ بدکاری کرنی ہے، یا فلاں گھر ڈاکہ ڈالنا ہے تو شرکائے مجلس کی ذمے داری ہے کہ وہ متعلقہ لوگوں کو خبردار کر دیں۔ مجلس کی ایسی باتیں جن میں دوسروں کو نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کی جائے، امانت نہیں ہیں بلکہ ان کا متعلقہ فریقوں تک پہنچانا ضروری ہے، ورنہ یہ بھی اعانت جرم کے مجرم ہوں گے۔

⑤ اسی طرح میاں بیوی کی رازدارانہ باتیں امانت ہیں۔ بیوی کو خاوند کی باتیں اور خاوند کو بیوی کی باتیں اپنے تک محدود رکھنی چاہییں۔ انھیں دوستوں اور سہیلیوں کے سامنے بیان کرنا امانت میں خیانت اور عنداللہ بڑا جرم ہے۔

ایک حدیث میں نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے بدتر وہ شخص ہوگا جو بیوی کے ساتھ ملاپ کرتا اور بیوی اس کے ساتھ ہم بستر ہوتی ہے، پھر اس کے بھید لوگوں کے سامنے کھولتا ہے۔'' (سنن ابی داود، باب مذکور)

⑥ شرعی احکام کی پابندی، امانت کی پاسداری اور ان سے انحراف خیانت ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت میں امانت کا یہی مفہوم ہے:

﴿إِنَّا عَرَضْنَا ٱلْأَمَانَةَ عَلَى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا ٱلْإِنسَٰنُ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا﴾

''بے شک ہم نے امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا، پس انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ یقیناً وہ ظالم اور نادان ہے۔''[1]

احکام شرعیہ کو امانت سے تعبیر کر کے اشارہ فرما دیا کہ ان کی ادائیگی انسانوں پر اسی طرح واجب ہے جس طرح امانت کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔

[1] الأحزاب 72:33

حدیث:46

تقویٰ کی حقیقت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِتَّقِ اللهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ»

''تو جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈر۔''[1]

اس میں تقویٰ کی تاکید ہے۔ تقویٰ کا مطلب، اللہ کا ڈر اور اس کا خوف ہے۔ انسان جہاں کہیں بھی ہو، جلوت میں ہو یا خلوت میں، تخت شاہی پر براجمان ہو یا کسی کٹیا میں فروکش، اس کے دل میں یہ ڈر ہو کہ اگر میں نے غلط کام کیا، اللہ کی نافرمانی کی اور اس کی حدوں کو پامال کیا تو وہ میری گرفت فرمائے گا۔

نفس انسانی کی اصلاح کے لیے تقویٰ سے بڑھ کر کوئی چیز مؤثر نہیں۔ جس دل میں تقویٰ آ گیا، سمجھ لو وہ کامیاب ہو گیا، اس لیے کہ تقویٰ اسے گناہوں اور اللہ کی نافرمانیوں سے روک کر رکھے گا اور نیکی اور ثواب کے کاموں پر آمادۂ عمل کرے گا۔ اسے گناہوں سے روکنے کے لیے پولیس کی ضرورت ہوگی نہ تازیانے کی۔ وہ جلوت ہی میں گناہوں سے باز نہیں رہے گا بلکہ خلوت میں بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرے گا۔ وہ غریب بے نوا ہوگا تب بھی حدود الٰہی کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور شاہانہ اختیار و اقتدار سے بہرہ ور ہوگا تب بھی اللہ کا خوف اسے نکیل ڈالے رکھے گا۔

---

[1] جامع الترمذی، البر والصلة، باب ما جاء فی معاشرة الناس، حدیث: 1987
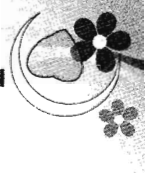
حدیث:8

باہم گالی گلوچ اور لڑائی کا گناہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَّقِتَالُهُ كُفْرٌ»

''مسلمان سے گالی گلوچ کرنا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔''[1]

اس حدیث میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ مسلمان کو گالی دینا فسق، یعنی اللہ کی نافرمانی اور گناہ کا کام ہے اور دوسری یہ کہ مسلمان سے لڑنا کافرانہ فعل ہے۔

گالی کا مطلب ہے کسی شخص کے بارے میں ایسے کلمات استعمال کیے جائیں جو اس کی عزت کو داغ دار کریں۔ ایسا بالعموم لڑائی جھگڑے کے موقعے پر ہوتا ہے۔ لڑائی کے وقت انسان غصے اور اشتعال میں دوسرے فریق کو سب و شتم کرتا اور اس کی عزت پر حملہ آور ہوتا ہے۔

ایمان و تقویٰ سے آراستہ لوگ، غصے اور لڑائی کے وقت بھی اپنے جذبات پر قابو رکھتے اور گالی گلوچ سے گریز کرتے ہیں۔ اسی لیے حدیث میں منافق کی نشانیوں میں سے ایک علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ [إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ] ''جب وہ جھگڑتا ہے تو گالیوں پر اتر آتا ہے۔''۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک مومن صادق کسی حالت میں اپنی زبان کو سب و شتم سے آلودہ نہیں کرتا۔

---

[1] صحيح البخاری، الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، حديث: 6044، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ: سباب المسلم فسوق ......، حديث: 64
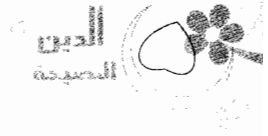
یہ تقوٰی ہی تھا جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں صحیح معنوں میں جا گزین ہو گیا تو اس نے ان کی زندگیوں کی کایا پلٹ دی ۔ وہ راہزن سے رہبر بن گئے ۔ شر کے بجائے خیر کے پیامبر بن گئے ۔ وہ بداخلاقی کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے مگر خوفِ الٰہی نے انھیں معلمِ اخلاق بنا دیا۔ پورے معاشرے میں خوفِ الٰہی کی لہر اس طرح پھیل گئی تھی جیسے برقی رو آن واحد میں تمام بلبوں کو روشن کر کے تاریکیوں کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ خوفِ الٰہی کی لہر نے تمام معصیتوں کو نگل لیا، گناہوں کی ظلمتوں کا خاتمہ کر دیا اور خیر و رشد کی روشنی ہر سو پھیل گئی۔

آج ہمارے معاشرے میں جو ہر طرف برائی نے ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں تو اس کی بڑی وجہ اسی تقوٰی کا فقدان ہے، اس لیے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ہر دل میں خوفِ الٰہی کی شمع فروزاں کی جائے تاکہ گناہوں سے بچنے کا جذبہ عام ہو ۔ انسان حدودِ الٰہی کو توڑنے اور اخلاقی ضابطوں کو پامال کرنے سے باز رہیں۔

اس حدیث میں بھی گالی گلوچ کو ''فسق'' سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی اللہ کی اطاعت سے نکل جانے کے ہیں۔ گویا گالی دینے والا اللہ تعالیٰ سے اپنے عہدِ اطاعت کو توڑ دیتا ہے اور شیطان کے پیچھے لگ جاتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتنا بڑا جرم ہے۔

اسلام نے جس اخلاق، تہذیب وشائستگی اور عفوودرگزر کی تعلیم دی ہے، گالی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اسلامی اخلاق وکردار کا حامل شخص سب وشتم کا ارتکاب نہیں کرتا، چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو ماں کی غلامی کی عار دلائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ»

''تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت کے آثار ہیں۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل واخلاق کے بیان میں آتا ہے کہ آپ نہ فحش گو تھے، نہ لعن طعن کرنے والے اور نہ گالی دینے والے۔ آپ ناراضی اور غصے کے وقت صرف یہ فرماتے: ''اسے کیا ہے، اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔'' (حوالۂ مذکور)

ہمیں بھی عہد کرنا چاہیے کہ گالی سے گریز کریں گے کیونکہ یہ منافقت کی علامات اور جاہلیت کے آثار میں سے ہے اور ہمیں تو ایک مومن کا کردار اپنانا ہے نہ کہ منافق کا، اور اسلامی تہذیب واخلاق سے آراستہ ہونا ہے نہ کہ جاہلیت کی بے ہودگیوں کو اختیار کرنا، جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم فرمایا۔

[1] صحیح البخاری، الأدب، باب ما ینھی من السباب واللعن، حدیث :6050

بہترین ذکر

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

''سب سے بہترین ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ہے۔'' یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔[1]

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کلمۂ توحید ہے۔ اس میں توحید الوہیت کا اقرار ہے جس کا انکار ہر دور کے مشرکین کا شیوہ رہا ہے۔ مشرکین یہ تو مانتے آئے ہیں جیسا کہ مشرکین مکہ بھی مانتے تھے کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا، سب کو روزی عطا کرنے والا اور کائنات کی تنظیم و تدبیر کرنے والا وہی رب ہے جو آسمانوں میں ہے۔ اسے توحید ربوبیت کہتے ہیں۔ اس توحید ربوبیت کو سب کافر بھی تسلیم کرتے تھے لیکن توحید الوہیت سے وہ انکار کرتے تھے، حالانکہ توحید الوہیت، توحید ربوبیت کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔ جب آسمان و زمین کا خالق، مالک، سب کا رازق اور کائنات کا مدبر صرف ایک اللہ ہے، اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، تو پھر عبادت کا مستحق بھی صرف وہی ایک ہے۔ اس میں دوسرے کی شرکت اللہ تعالیٰ کو قطعاً گوارا نہیں۔ لیکن مشرکین توحید الوہیت کو نہیں مانتے۔ وہ اللہ کی عبادت کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

[1] جامع الترمذی، الدعوات، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة، حديث :3381

باب : 2

اخلاق حسنہ

عبادت کے معنی ہیں، کسی صاحب قدرت ہستی کے سامنے انتہائی تذلل اور عاجزی کا اظہار کرنا۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً: اس کی بارگاہ اقدس میں سربسجود ہونا، اس کے سامنے تعظیماً کھڑے ہونا، اس کے لیے رکوع کرنا، اس کے لیے طواف کرنا، اس کے نام کی نذر نیاز دینا، اس کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرنا، اس سے مافوق الاسباب طریقے سے امیدیں وابستہ کرنا اور ڈرنا، اس کے لیے نماز پڑھنا، روزے رکھنا، اس سے دعائیں اور التجائیں کرنا۔ یہ سب عبادت کی قسمیں ہیں اور کلمۂ توحید کے اقرار کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں سے کوئی کام بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے نہ کیا جائے، ورنہ عبادت میں شرک لازم آئے گا۔

بدقسمتی سے بہت سے پیدائشی مسلمان، جنھیں دین کا صحیح شعور اور توحید کے حقیقی مفہوم کا علم نہیں، وہ صرف سجدہ کرنے کو شرک سمجھتے ہیں، اس لیے وہ غیر اللہ کو سجدہ نہیں کرتے (اور بعض جاہل تو سجدہ بھی کر لیتے ہیں) لیکن دوسرے سارے کام وہ غیر اللہ کے لیے کر لیتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ہم تو مسلمان ہیں، ہم مشرک کس طرح ہو سکتے ہیں؟ چنانچہ وہ غیر اللہ کے نام کی نذر نیازیں بھی دیتے ہیں، بزرگوں کی خوشنودی کے لیے جانور بھی ذبح کرتے اور دیگیں بھی تقسیم کرتے ہیں۔ ان کی قبروں کے طواف بھی کرتے ہیں، عاجزی و ذلت کے اظہار کے لیے ان کی قبروں پر تعظیمًا صف بستہ کھڑے بھی ہوتے ہیں۔ ان سے دعائیں اور التجائیں بھی کرتے ہیں، ان سے امیدیں بھی وابستہ کرتے اور ڈرتے بھی ہیں۔ قبروں میں مدفون بزرگوں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر انھیں مدد کے لیے پکارتے بھی ہیں، انھیں نافع و ضار اور عالم الغیب بھی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کام عبادات ہیں اور یہ نام نہاد مسلمان انھیں غیر اللہ کے لیے بجالا کر شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ زبان سے تو پڑھتا ہے لیکن اس کے مفہوم سے قطعًا ناآشنا ہے، اس لیے وہ مشرکین مکہ کی طرح توحید ربوبیت کو تو تسلیم کرتا ہے

حدیث:9

حسنِ اخلاق کی فضیلت واہمیت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ»

''نیکی، حسن اخلاق کا نام ہے۔''[1]

بِرّ کے کئی معنی ہیں: صلہ رحمی (رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا) نرمی اور پیار، حسنِ صحبت ورفاقت اور حسن معاشرت، یعنی دوستی اور رفاقت کو اچھے طریقے سے نبھانا اور اہل خانہ، دوست احباب اور رشتے داروں وغیرہ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ اور ایک معنی، نیکی کرنا، ہیں۔

یہاں بِرّ ''نیکی'' کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حسن اخلاق بھی اسی طرح نیکی ہے جس طرح نماز پڑھنا، زکاۃ دینا، حج وعمرہ کرنا اور روزے رکھنا وغیرہ اعمال بِرّ ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ان پر قیامت کے دن بہترین جزا عطا فرمائے گا۔ حسن اخلاق سے بھی اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اس کی بھی وہ بہترین جزا عطا فرمائے گا، بلکہ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَثْقَلُ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ، الْخُلُقُ الْحَسَنُ»

''ترازو میں سب سے بھاری عمل حسنِ اخلاق ہوگا۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب تفسير البر والإثم، حديث: 2553

[2] صحيح ابن حبان(ابن بلبان):1/350، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 134، والسلسلة الصحيحة للألباني، حديث: 876

لیکن توحید الوہیت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو توحید ربوبیت کے ماننے کے باوجود انھیں مشرک قرار دیا۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ وہ توحید الوہیت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ بنابریں توحید الوہیت کو ماننا نہایت ضروری ہے جو کلمۂ توحید لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه میں بیان کی گئی ہے،اس کے بغیر توحید ربوبیت پر اعتقاد کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ محض اِس جزوی اعتقاد سے توحید کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔

اس کلمۂ توحید کی یہی اہمیت ہے جس کی وجہ سے اسے سب سے زیادہ فضیلت والا ذکر قرار دیا گیا ہے۔ اس کے مثل کوئی اور کلمہ نہیں ۔ یہی کفر و اسلام اور شرک و توحید کے درمیان فرق کرنے والا ہے۔ یہی کلمہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنے والا اور غیروں سے توڑنے والا ہے۔ یہی کلمہ انسان کے نفس کا سب سے بہتر تزکیہ کرنے والا اور اس کے باطن کی صفائی کرنے والا ہے اور یہی سب سے زیادہ خبث نفس سے پاک کرنے والا اور دل کو شیطان کی آماجگاہ بننے سے بچانے والا ہے۔ کاش! مسلمان اس کلمۂ توحید و اخلاص کی حقیقت و اہمیت کو سمجھ سکیں اور اپنے عقیدہ و عمل کو اس کے مطابق بنا سکیں۔

اخلاق کی یہ اہمیت کیوں ہے؟ اس لیے کہ ایک با اخلاق آدمی ہی وہ حقوق وفرائض صحیح معنوں میں ادا کرسکتا ہے جو بندوں پر بندوں کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ ماں باپ، بیوی بچے، عزیز واقارب، دوست احباب، پڑوسی، آقا و مالک اور مزدور ومحنت کار، سب کے ساتھ صحیح معاملہ کرنا اور ان سے متعلقہ ذمے داریوں کو بحسن وخوبی ادا کرنا حسن اخلاق ہے۔ اور جب انسان سب کے حقوق وفرائض ادا کرتا ہے تو معاشرے میں عدل وانصاف کے تقاضے ازخود پورے ہو جاتے ہیں جس سے امن وسکون قائم اور خوش گوار ماحول پیدا ہوتا ہے جو ایک انسانی معاشرے کی اصل ضرورت ہے۔

اگر انسانوں میں حسن اخلاق کا یہ وصف نہ ہو تو نماز، روزے اور دیگر عبادات کی ادائیگی کا اہتمام کرنے کے باوجود معاشرے میں امن وسکون ناپید اور معاشرتی زندگی خلفشار وفساد سے دوچار رہے گی۔ اسی لیے نبی ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا:

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا»

''مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔''[1]

[1] جامع الترمذی، الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها، حدیث: 1162، وصحیح الجامع الصغیر، حدیث :1230

حدیث:48

کلمۂ توحید کے تقاضے اور اس کے ثمرات

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّـةَ»

''جس نے اخلاص سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہا، وہ جنت میں جائے گا۔''[1]

اخلاص سے کلمہ پڑھنے کا مطلب ہے دل کی گہرائی سے، اس کا مفہوم و مطلب سمجھتے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے پڑھنا کیونکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو صرف دکھلاوے یا کسی خوف سے کلمۂ توحید زبان سے ادا کر دیں۔ اور ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو اس کا مفہوم و مطلب ہی نہ سمجھتے ہوں اور زبان سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنے کے باوجود، اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو بھی مافوق الاسباب طریقے سے حاجت روائی پر قادر سمجھتے ہوں، اور ان کی بابت نافع و ضرر رساں ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں جس طرح بدقسمتی سے آج بھی بہت سے مسلمان مشرکانہ اعمال میں مبتلا ہیں۔ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے بھی مدد طلب کرتے ہیں، ان کو بھی حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں، اللہ کے نام کے ساتھ، ان کے نام کی بھی نیاز دیتے ہیں، ان کی خوشنودی کے لیے جانور ذبح کرتے اور ان کے ناموں پر دیگیں تقسیم کرتے ہیں۔

[1] صحيح ابن حبان:1/196، والسلسلة الصحيحة للألبانی حديث:2355

حدیث 10:

با اخلاق انسان کا مقام و مرتبہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ خِيَارَكُمْ أَحْسَنُكُمْ أَخْلَاقًا»

''بلاشبہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھا ہے۔''[1]

اس میں بھی اخلاق کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ لوگ عام طور پر اسے زیادہ اچھا اور نیک سمجھتے ہیں جو زہد و عبادت میں ممتاز ہو۔ نفلی نماز زیادہ پڑھتا ہو، نفلی روزے زیادہ رکھتا، ذکر الٰہی میں زیادہ مصروف رہتا اور شب بیداری کا اہتمام کرتا ہو۔ لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ اچھا آدمی وہ ہے جو با اخلاق ہے۔ ہر ایک کا حق صحیح طریقے سے ادا کرتا اور ہر معاملے کو خوش اسلوبی سے نمٹاتا ہے۔ لوگوں سے خندہ روئی سے ملتا اور نرم خوئی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ کسی کی بدگوئی اور غیبت نہیں کرتا۔ سب وشتم اور الزام تراشی سے دامن بچاتا ہے اور ظلم و زیادتی اور دھوکا فریب کا ارتکاب نہیں کرتا۔

ایسا خوش اخلاق آدمی اگر صرف فرائض کی ادائیگی کرے اور نوافل کا زیادہ اہتمام نہ کرے، تب بھی اسے محض اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے اس شخص کا سا درجہ اور مقام حاصل ہو جائے گا جو کثرت سے نفلی روزے رکھتا اور راتوں کو اٹھ کر قیام کرتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

[1] صحیح البخاری، الأدب، باب حسن الخلق والسخاء ...... ، حدیث :6035

یہ سارے کام توحید کے خلاف ہیں، جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے کیے جاتے ہیں۔ اگر لوگ صحیح معنوں میں اس کے مفہوم و مطلب سے آشنا ہو جائیں تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اپنی امیدیں کبھی وابستہ نہ کریں، کسی سے مافوق الاسباب طریقے سے خوف محسوس کریں نہ ان سے مدد طلب کریں۔ بہر حال جنت میں جانے کے لیے ضروری ہے کہ لَا إِلٰہَ الَّا اللّٰہ اخلاص سے پڑھا جائے' یعنی اس کا مطلب سمجھا جائے اور اس کے تقاضوں کے مطابق اپنا عقیدہ وعمل صحیح کیا جائے۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل؟
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

«إِنَّ الرَّجُلَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَاتِ قَائِمِ اللَّيْلِ صَائِمِ النَّهَارِ»

''آدمی اپنے حسن اخلاق سے اس شخص کے درجات حاصل کر لیتا ہے جو رات کو قیام کرتا اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔''[1]

ایک اور روایت میں ہے:

«وَإِنَّ حُسْنَ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ دَرَجَةَ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ»

''اور حسن اخلاق سے یقیناً (آدمی نفلی) روزے اور نماز کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔''[2]

ایک اور روایت میں ہے:

«مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ، وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ»

''ترازو میں حسن خلق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں رکھی جائے گی اور حسن خلق سے متصف شخص، حسن اخلاق کی وجہ سے، (نفلی) روزے اور (نفلی) نمازیں ادا کرنے والے کے درجے کو پہنچ جائے گا۔''[3]

---

[1] سنن أبي داود ، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث:4798،والمستدرك للحاكم 60/1، واللفظ له، والسلسة الصحيحة للألباني ، حديث :795

[2] صحيح الجامع الصغير، حديث :1578،وعزاه إلى مسند البزار

[3] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في حسن الخلق،حديث:2003، وصحيح الجامع الصغير، حديث:5726
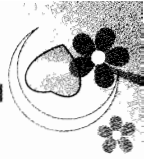
حدیث:49

اللہ تعالیٰ کی شان وعظمت کے بیان والے چند اذکار

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ»

''اے اللہ! تو سلام ہے (بندوں کو ہلاکتوں سے بچانے والا) اور تجھ ہی سے سلامتی (کی امید کی جاتی) ہے۔ اے جلالت و بزرگی کے مالک! تو بڑی برکتوں والا ہے۔''[1]

نبی ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیر لیتے تو تین مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کہتے اور مذکورہ بالا کلمات پڑھتے۔

دوسری روایات میں ہے کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد یہ بھی پڑھتے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اَللّٰهُمَّ! لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ»

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لیے بادشاہی اور اسی کے لیے تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو چیز تو

[1] صحیح مسلم، المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ، حدیث: 591

حدیث:11

اللہ کا محبوب بندہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَحَبُّ عِبَادِ اللهِ إِلَى اللهِ أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا»

''اللہ کے بندوں میں سے اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو ان میں سے زیادہ با اخلاق ہے۔''[1]

گزشتہ احادیث سے جب یہ واضح ہو گیا کہ سب سے بہتر اور سب سے زیادہ ایمان میں کامل وہ شخص ہے جو اخلاق حسنہ میں ممتاز ہے تو یقیناً یہ شخص اللہ کو بھی سب سے زیادہ محبوب ہو گا، اس لیے کہ اللہ کے ہاں مقام محبوبیت حاصل کرنے کے لیے کمال ایمان ضروری ہے۔ اور یہ کمال ایمان جس قدر حسن اخلاق سے حاصل ہوتا ہے اُتنا نفلی عبادات سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔

لوگ اللہ تعالیٰ کا محبوب اسے سمجھتے ہیں جو عبادت گزار زیادہ ہو۔ حدیث نے اس غلط فہمی کو دور کر دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ نفلی عبادات سے بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے لیکن قرب الٰہی حاصل کرنے کا اس سے بھی بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو حسن اخلاق سے آراستہ کرے، چنانچہ ایک اور حدیث میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبَكُمْ مِّنِّي فِي الْآخِرَةِ مَجَالِسَ، أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا، وَّإِنَّ أَبْغَضَكُمْ إِلَيَّ وَأَبْعَدَكُمْ مِّنِّي فِي

[1] المستدرك للحاكم 4/198-199، و399-401، وانظر: السلسلة الصحيحة للألباني، حديث: 432

دے، اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جس چیز کو تو روک لے، اسے کوئی دینے والا نہیں۔ اور کسی صاحب حیثیت کو تیرے مقابلے میں اس کی حیثیت فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔''[1]

علاوہ ازیں نبی ﷺ نے نمازوں کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ وظیفہ بھی پڑھنے کے لیے بتلایا: 33 مرتبہ سبحان اللّٰه، 33 مرتبہ الحمدللّٰه، اور 34 مرتبہ اللّٰه اکبر. آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر فرض نماز کے بعد یہ تسبیح وتحمید اور تکبیر پڑھنے والا نامراد نہیں ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے، جو شخص سبحان اللّٰه، الحمدللّٰه، اللّٰه اکبر 33، 33 مرتبہ ہر نماز کے بعد پڑھے گا اور پھر سو کی گنتی پوری کرنے کے لیے ایک مرتبہ یہ پڑھ لے گا:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ»

''اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی (حکومت) اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔''[2]

تو اس کے سب (صغیرہ) گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں۔

---

[1] صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة......،حديث:593

[2] صحيح مسلم، المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة......، حديث:597

الْآخِرَةِ أَسْوَؤُكُمْ أَخْلَاقًا . . . »

''تم میں مجھے سب سے زیادہ محبوب اور آخرت میں ہم نشینی میں میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں اخلاق میں سب سے زیادہ اچھے ہوں گے۔ اور تم میں مجھے سب سے زیادہ ناپسند اور آخرت میں مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو تم میں اخلاق کے اعتبار سے زیادہ برے ہوں گے......''[1]

[1] جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی معالی الأخلاق، حدیث:2018، ومسند أحمد: 4/193، وموارد الظمآن، حدیث:1917، و صحیح الجامع الصغیر، حدیث:1535، والسلسلة الصحیحة للألبانی، رقم الحدیث:791

حدیث 50:

حقیقی محافظ کون؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْكَ»

”تو اللہ کی حفاظت کر، اللہ تیری حفاظت فرمائے گا۔“ [1]

اللہ تعالیٰ تو ساری کائنات کا محافظ اور نگہبان ہے۔ اسے کسی کی حفاظت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس حدیث میں اللہ کی حفاظت کا مطلب، اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی نازل کردہ شریعت کی حفاظت اور اس پر عمل کا اہتمام ہے جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِن تَنصُرُوا۟ ٱللَّهَ يَنصُرْكُمْ﴾

”اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمھاری مدد کرے گا۔“ [2]

یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے مراد، اللہ کے دین کی مدد ہے۔ جو اللہ کے دین کی مدد اور اس پر عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا۔ یہی مفہوم حدیث کے الفاظ کا بھی ہے جیسا کہ اس حدیث کے بقیہ الفاظ سے واضح ہے۔ چنانچہ یہ پوری حدیث اس طرح ہے:

نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ”اے بچے! میں تجھے چند اہم باتیں سکھلاتا ہوں: تو اللہ کی حفاظت کر، اللہ تیری حفاظت فرمائے گا۔ تو اللہ کی حفاظت کر،

---

[1] جامع الترمذی، صفة القیامة، باب حدیث حنظلة ...... ، حدیث: 2516

[2] محمد 47:7

حدیث:12

اخلاق حسنہ کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا»

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں اخلاق میں سب سے اچھا ہے۔''[1]

حسن اخلاق کا مطلب ہے، ایک انسان کا جن جن سے بھی واسطہ پڑتا ہے، ان سب سے اچھا برتاؤ کرے۔ ان کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کرے۔ ان کی بابت جو ذمے داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں، انھیں بہ حسن وخوبی پورا کرے۔ ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرے نہ کوئی کوتاہی روا رکھے۔ اسی حسن اخلاق پر معاشرے کے امن وسکون کا انحصار ہے۔ اگر لوگ حسن اخلاق سے آراستہ ہوں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس معاشرے میں لوگ ایک دوسرے کے حقوق وفرائض ادا کر رہے ہیں، کوئی کسی کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے نہ کسی کوتاہی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جس معاشرے میں ایسا ہوگا، وہ ایک مثالی معاشرہ ہوگا، ظلم و زیادتی سے پاک، بغض وعناد سے پاک، دھوکا فریب اور جعل سازی سے پاک۔ سب بسنے والے انسان ایک دوسرے کے ہمدرد و غم خوار، رفیق و دم ساز، اور ایک دوسرے کے معاون و دست و بازو ہوں گے۔ وہاں امن وسکون کا ڈیرہ ہوگا اور لوگ خوش گواری کی باد بہاری سے سرشار ہوں گے۔

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب كثرة حيائه ﷺ، حديث :2321

تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ جب تو کوئی سوال کرے، تو اللہ سے سوال کر۔ جب تو مدد مانگے، تو اللہ سے مدد مانگ اور یہ بات جان لے کہ اگر سارے لوگ تجھے کچھ نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں، تو وہ تجھے نفع نہیں پہنچا سکیں گے، سوائے اس نفع کے جو اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ اور اگر وہ تجھے کوئی نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں، تو وہ تجھے نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، سوائے اس نقصان کے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے۔''

بہر حال اللہ کے دین پر عمل کرنا، اس کے مطابق زندگی گزارنا اور دینی اقدار و روایات کی حفاظت اور ان کی سر بلندی کے لیے کوشاں رہنا' اللہ کی طرف سے فتح و نصرت اور اس کی رضامندی کا باعث ہے، اس لیے ہر مسلمان کو دین کا پابند اور معاشرے میں دین کے نفاذ کا علم بردار بن کر رہنا چاہیے۔
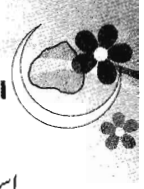
اسلام ایسا ہی انسانی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس کا ایک نمونہ اسلامی تعلیمات کے پیکروں نے عہدِ رسالت وصحابہ میں دنیا کے سامنے پیش کیا اور چشم فلک نے اس کا نظارہ کیا اور اہل تاریخ نے اس کو اپنی کتابوں میں قلم بند اور محفوظ کیا۔ اس حدیث میں اسی اخلاق وکردار کی بلندی کی ترغیب دی گئی ہے جسے اختیار کر کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دنیا اور اہل دنیا کے لیے ایک بہترین نمونہ اور قابل عمل اسوہ قرار پائے۔ آج بھی معاشرے میں وہی لوگ بہتر سمجھے جاتے ہیں جو اخلاق وکردار کے حسن سے آشنا اور اس کی بلندیوں سے ہم کنار ہیں اور انھی کے دم قدم سے بادِ سموم کی فضا میں کہیں کہیں خوش گوار ہوا کے جھونکے محسوس ہوتے ہیں۔ كَثَّرَ اللّٰهُ أَمْثَالَهُمْ فِينَا.
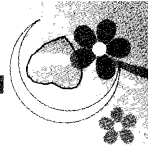
حدیث:51

اللہ پر بھروسا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ»

''اللہ کے نام سے (میں نکلتا ہوں) میں نے اللہ پر بھروسا کیا، گناہ سے بچانا اور نیکی کی توفیق دینا اللہ ہی کا کام ہے۔''[1]

نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھتا ہے، تو اسے کہا جاتا ہے: تو کفایت کیا گیا، اور بچا لیا گیا اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔''

ایک دوسری حدیث میں ہے جب نبی ﷺ گھر سے باہر نکلتے تو حسب ذیل دعا پڑھتے تھے:

«بِسْمِ اللهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللهِ ، اَللّٰهُمَّ ! إِنَّا نَعُوذُبِكَ مِنْ أَنْ نَّزِلَّ أَوْ نَضِلَّ أَوْ نَظْلِمَ أَوْ نُظْلَمَ أَوْ نَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا»

''اللہ کے نام سے (میں نکلتا ہوں) میں نے اللہ پر بھروسا کیا، اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ ہم پھسلیں یا ہم گمراہ ہو جائیں، ظلم کریں یا ہم پر ظلم کیا جائے یا ہم جہالت کا مظاہرہ کریں یا ہمارے ساتھ کوئی جاہلانہ رویہ اختیار کرے۔''[2]

---

[1] جامع الترمذی، الدعوات، باب ما يقول إذا خرج......، حدیث:3426

[2] جامع الترمذی، الدعوات، باب دعاء : بسم اللّٰه توكلت على اللّٰه......، حدیث:3427

حدیث:13

ایذا رسانی سے مکمل اجتناب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ»

''نہ (پہلے پہل) کسی کو نقصان پہنچائے، نہ بدلے کے طور پر نقصان پہنچائے۔''[1]

اس میں دو باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔ کوئی مسلمان کسی کو نقصان پہنچانے میں پہل نہ کرے، جیسے کسی کا کوئی حق غصب کر لے، کسی پر الزام تراشی کر کے اس کی عزت نفس کو مجروح یا اسے لوگوں میں بدنام کرے، وغیرہ۔ ایسا کرنا جائز نہیں۔

دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص نقصان پہنچائے، یعنی اس کا کوئی حق چھین لے، اس پر زیادتی کرے تو اس کا بدلہ لینا اگرچہ جائز ہے بشرطیکہ زیادتی کے مطابق بدلہ لے، اس سے تجاوز نہ کرے۔ مگر معاف کر دینا اور بدلے کے لیے بھی دوسرے کو نقصان نہ پہنچانا، یہ بہتر اور افضل بات ہے۔ قرآن کریم میں بھی کہا گیا ہے:

﴿وَجَزَٰٓؤُاْ سَيِّئَةٖ سَيِّئَةٞ مِّثۡلُهَاۖ فَمَنۡ عَفَا وَأَصۡلَحَ فَأَجۡرُهُۥ عَلَى ٱللَّهِۚ﴾

''اور برائی کا بدلہ، اس جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور اصلاح کر لے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔''[1]

---

[1] سنن ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى فى حقه ما يضر بجاره، حديث: 2341,2340 و مسند أحمد: 255/1

[2] الشورىٰ 42:40

ہر مسلمان کو گھر سے باہر نکلتے وقت یہ دعائیں ضرور پڑھنی چاہییں۔ اور گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّی أَسْئَلُكَ خَیْرَ الْمَوْلِجِ وَخَیْرَ الْمَخْرَجِ ، بِسْمِ اللهِ وَلَجْنَا ، وَبِسْمِ اللهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا»

''اے اللہ! میں تجھ سے بہتر داخل ہونے اور بہتر نکلنے کا سوال کرتا ہوں۔ اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اللہ ہی کے نام سے ہم نکلے اور اللہ ہی پر، جو ہمارا رب ہے، ہم نے بھروسا کیا۔''

داخل ہونے کے بعد گھر والوں کو سلام کرے۔[1]

[1] سنن أبی داود، الأدب، باب ما یقول الرجل إذا دخل بیته ، حدیث :5096
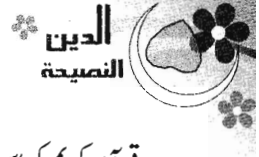
قرآن کریم کی اس آیت میں برائی کے بدلے کو بھی برائی ہی سے تعبیر کیا گیا ہے، حالانکہ وہ برائی نہیں ہے کیونکہ اس کا ارتکاب بدلے کے طور پر کیا جارہا ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے اور جس چیز کی اجازت شریعت نے دی ہو، وہ برائی کس طرح ہوسکتی ہے؟ لیکن اس میں نکتہ یہی ہے کہ انتقام کے طور پر بھی برائی کا ارتکاب کرنا، جواز کے باوجود، کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔ اچھی بات یہی ہے کہ زیادتی کرنے والے کو معاف کردیا جائے۔

یہ ایک بہت ہی اہم ہدایت ہے۔ اس پر عمل کرنے سے ظلم وفساد کا راستہ بند ہوجاتا ہے اور اسے نظر انداز کرنے سے اس کا راستہ عام طور پر چوپٹ کھل جاتا ہے کیونکہ بدلہ لیتے وقت انسان اس حد تک محدود نہیں رہتا جس کی اجازت شریعت نے دی ہے بلکہ اکثر اس میں تجاوز ہوجاتا ہے۔ اور یوں انتقام در انتقام کا ایسا سلسلہ چل نکلتا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا اور خاندان کے خاندان تباہ ہوجاتے ہیں بلکہ بعض دفعہ یہ سلسلۂ انتقام کئی نسلوں تک دراز ہوجاتا ہے، اس لیے عافیت اور بھلائی اسی میں ہے کہ بدلہ لینے کی بجائے عفوودرگزر کو اختیار کیا جائے۔

حدیث:52

قسم صرف اللہ تعالیٰ کی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلَا يَحْلِفْ إِلَّا بِاللهِ»

''جو شخص قسم کھائے تو صرف اللہ کی قسم کھائے۔''[1]

اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت میں لوگ اپنے آباء واجداد کی یا پھر لات وعزیٰ وغیرہ جھوٹے معبودوں کی قسم کھاتے تھے لیکن اسلام نے اس سے روک دیا اور تاکید کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی قسم نہ کھائی جائے کیونکہ انسان جس کی قسم کھاتا ہے، اس کے دل میں اس کی عظمت ہوتی ہے اور عظمت وجلالت کا اصل مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، اس لیے دوسروں کی قسم کھانے میں ان کی اللہ کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کو گواہ بنانا بھی مقصود ہوتا ہے جبکہ اللہ کے سوا کسی کو بھی گواہ نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ کے سوا کسی کو بھی مستقبل کا علم نہیں، لہٰذا کسی دوسرے کو گواہ بنانے کا مطلب اُسے اللہ کی صفت علم غیب میں شریک ٹھہرانا ہے جو شرک ہے۔ بہرحال اللہ کے سوا کسی کی بھی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

جاہل اور شریعت سے بے خبر لوگوں میں یہ مرض بھی عام ہے کہ وہ اپنے بچوں کی، بیوی کی، ماں باپ کی یا اپنی جان کی قسم کھاتے ہیں، ایسا کرنا بہت خطرناک ہے، اللہ کے سوا ہرگز کسی کی قسم نہ کھائی جائے۔[2]

---

① صحيح مسلم، الإيمان، باب النهي عن الحلف بغيرالله تعالى ، حديث :1646

② اللہ تعالیٰ کی صفات اور قرآن مجید کی قسم بھی کھائی جاسکتی ہے اس لیے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

حدیث:14

احسان مندی کا تقاضا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ»

''جس نے لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا، اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔''[1]

شکر کا مطلب ہے، احسان کرنے والے کے احسان کو تسلیم کرنا اور اسے بیان کرنا، یعنی اس کے سامنے بھی اس کا اقرار و اعتراف کرے اور لوگوں کے سامنے بھی اس کا اظہار و اعلان کرے۔ اسے احسان شناسی کہتے ہیں اور اس کے برعکس رویے کو احسان ناشناسی۔ احسان شناسی اخلاقی خوبی ہے جس کی تاکید اس حدیث میں بھی کی گئی ہے، نیز دوسری احادیث میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ احسان کرنے والے کو جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا ''اللہ تجھے بہترین بدلہ دے'' کے الفاظ میں دعا بھی دے۔ محض زبان سے شکریہ یا ''تھینک یو'' کہہ دینا کافی نہیں جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ کوئی بھلا انسان کسی آشوب یا آزمائش کے موقع پر مخلصانہ اعانت کرے مگر اُس کی مہربانی کا اظہار و اعتراف نہ کیا جائے تو یہ فعل احسان فراموشی قرار پائے گا۔ یہ یقیناً بداخلاقی بلکہ ایسا قبیح فعل ہے کہ اسے اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری قرار دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری بہت بڑا جرم ہے جس پر عذابِ شدید کی وعید ہے۔

[1] جامع الترمذی، البر و الصلة، باب ما جاء فی الشکر لمن أحسن إلیك ، حدیث : 1955

حدیث:53

برکت اور مغفرت کی دعا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ لَنَا فِيمَا رَزَقْتَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ»

''اے اللہ! تو نے ہمیں جو دیا ہے، اس میں ہمارے لیے برکت عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔''[1]

رزق کا مطلب عربی زبان میں صرف روزی ہی کا نہیں ہے، جیسا کہ اردو میں ہے، بلکہ اللہ کی دی ہوئی ہر چیز رزق ہے، صحت، مال، علم، اولاد اور ہنر وغیرہ سب رزق ہے، یعنی اللہ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا دعا کھانا کھاتے وقت پڑھنے کی ہے، اس لیے اس میں خصوصیت کے ساتھ کھانے میں برکت کی دعا ہے، تاہم انسان کو یہ دعا مانگتے ہوئے اس کی معنوی وسعت کو بھی ذہن میں رکھنا چاہیے تاکہ دعا میں بھی وسعت ہو جائے۔

[1] عمل اليوم والليلة، لابن السني، حديث:457 ، و الحديث ضعيف، لأن فيه ابن أبى الزُّعَيْزِعَة، وهو ضعيف جدًا، وقال البخارى:منكر الحديث جدًا
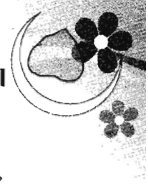
﴿لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝٧﴾

''اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں مزید نعمتوں سے نوازوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھنا) میرا عذاب یقیناً بہت سخت ہے۔''[1]

[1] إبراهيم 7:14
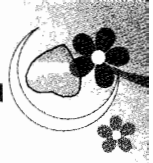
حدیث:54

بلندئ درجات کے حصول کا طریقہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ لِلّٰهِ»

''اپنے لیے، اللہ کو کثرت سے سجدہ کرنا، لازم پکڑو۔''[1]

صحیح مسلم میں یہ واقعہ اس طرح آتا ہے کہ حضرت معدان بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبان سے ملا تو ان سے کہا: مجھے ایسا عمل بتلاؤ جسے میں کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی وجہ سے جنت میں داخل کر دے۔ یا میں نے کہا: مجھے ایسا عمل بتلاؤ جو اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہو۔ تو وہ خاموش رہے، میں نے پھر پوچھا، وہ خاموش رہے۔ میں نے تیسری مرتبہ پوچھا، تو انھوں نے کہا: میں نے اس کی بابت رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

''اپنے نفس پر اللہ کے لیے کثرت سے سجدہ کرنا لازم پکڑ، اس لیے کہ جب بھی تو اللہ کو سجدہ کرے گا تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تیرا ایک درجہ بلند اور تیرا ایک گناہ معاف کر دے گا۔''

صحیح مسلم ہی میں ایک اور واقعہ درج ہے۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات گزارتا تھا۔ میں آپ کو وضو کا پانی لا کر دیتا اور آپ ﷺ

[1] صحیح مسلم، الصلاۃ، باب فضل السجود والحث علیہ ، حدیث :488

باب : 3

کی دیگر حاجتیں پوری کرتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مانگ''! تو میں نے کہا، میں آپ سے جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے علاوہ کچھ اور۔'' میں نے کہا: بس یہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اپنے نفس پر کثرت سجود کے ساتھ میری مدد کر۔''[1]

کثرت سجود سے مراد نفلی نماز کی کثرت ہے، یعنی فرض نمازوں کے علاوہ نفلی نمازیں کثرت سے پڑھنا، اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے جنت میں رفاقت کی خواہش رکھنے والے صحابی کو بھی کثرت سجود، یعنی زیادہ نوافل پڑھنے کی تاکید فرمائی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قیامت والے دن نیک اعمال ہی انسان کی نجات کا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے حصول کا ذریعہ ہوں گے۔ محض بزرگوں کا قرب، ان سے عقیدت و محبت اور ان کی خدمت ہی اس کا بڑا یا واحد ذریعہ نہیں ہوگا، جیسا کہ آج کل اکثر لوگ اسی کو سب کچھ سمجھتے اور اسی بنا پر کسی نہ کسی گدی اور خانقاہ سے وابستگی کو ضروری خیال کرتے ہیں اور عمل سے بالکل غافل رہتے ہیں۔ نبی ﷺ کے طرز عمل اور فرمان سے واضح ہوا کہ اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہے، محض کسی بزرگ سے تعلق اور نسبت کافی نہیں۔ اور یہ تعلق اور نسبت بھی اسی وقت مفید ہوگی جب عمل بھی ساتھ ہوگا، ورنہ محض نسبت اور تعلق سے انسان جنت میں نہیں جا سکے گا۔

اِسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قریبی رشتے داروں حتی کہ اپنے عم بزرگوار، اپنی پھوپھی اور اپنی صاحبزادی تک کو یہ تنبیہ کر دی تھی کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے کچھ کام نہیں آسکوں گا:

«يَا بَنِي عَبْدِالْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا ، يَاعَبَّاسُ بْنَ

[1] صحيح مسلم، الصلاة، باب فضل السجود والحث عليه، حديث :488

خدمتِ خلق

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَّنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَفْعَلْ»

''تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ ایسا کرے۔''[1]

زمانۂ جاہلیت میں مشرکانہ منتر، یعنی جھاڑ پھونک کا سلسلہ عام تھا۔ نبی ﷺ نے ایسے جھاڑ پھونک سے منع فرما دیا تو کچھ لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے خاندان میں ایک دم کرنے کا سلسلہ چلا آ رہا ہے جو بچھو کے ڈسے ہوئے شخص کے لیے موثر ہے مگر آپ نے جھاڑ پھونک کرنے سے منع فرما دیا ہے، پھر انھوں نے اس منتر (دم) کے الفاظ آپ کو سنائے تو آپ ﷺ نے فرمایا'' اس میں کوئی حرج والی بات مجھے نظر نہیں آتی، تم میں سے جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانے کی طاقت رکھے، وہ اسے فائدہ پہنچائے۔'' (حوالۂ مذکور)

اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ 'دم' یعنی جھاڑ پھونک جائز ہے بشرطیکہ اس دم میں مشرکانہ الفاظ نہ ہوں۔ جیسے دوسری روایت میں آپ ﷺ نے صراحتاً فرمایا:

«لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ»

''دم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک اس میں شرک نہ ہو۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، السلام، باب استحباب الرقیة من العین ...... ، حدیث: 2199

[2] صحیح مسلم، السلام، باب لا بأس بالرقی مالم یکن فیه شرك ، حدیث: 2200
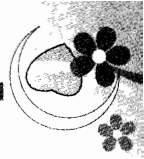
عَبْدِالْمُطَّلِبِ لَا أُغْنِی عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ، يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ لَا أُغْنِی عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ سَلِينِی مَا شِئْتِ ، لَا أُغْنِی عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا »

''اے اولادِ عبدالمطلب! میں اللہ کے ہاں تمھاری طرف سے کچھ بھی کفایت نہیں کر سکوں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب! میں اللہ کے مقابلے میں آپ کے کچھ کام نہیں آ سکوں گا۔ اے صفیہ، رسول اللہ کی پھوپھی! میں اللہ کے ہاں تیرے کچھ کام نہیں آ سکوں گا۔ اور اے فاطمہ، رسول اللہ کی لختِ جگر! تو (دنیا کے مال میں سے) جو چاہے مجھ سے مانگ لے لیکن قیامت کے دن میں اللہ کی طرف سے تیرے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا۔''[1]

نبی ﷺ نے سب کو عمل کی تاکید فرمائی اور اس بات سے خبردار کر دیا کہ قیامت کے دن عمل ہی انسان کے کام آئے گا، محض کسی کے ساتھ رشتے داری اور نسبت و تعلق سے کچھ نہیں بنے گا۔ جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نسبت و تعلق وہاں کام نہیں آئے گا، حالانکہ آپ ﷺ کائنات میں سب سے افضل و اشرف ہیں، تو پھر اور کون ایسا ہے کہ جس کے ساتھ نسبت و تعلق کا کوئی فائدہ کسی انسان کو ہو سکے؟

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله تعالى: وأنذر عشيرتك الأقربين ، حديث : 206
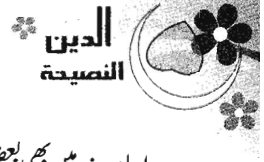
احادیث میں بھی بعض دم منقول ہیں۔ مثلاً:

① حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ پڑھ کر دم کرتے تھے:

«أَذْهِبِ الْبَأْسَ، رَبَّ النَّاسِ، بِيَدِكَ الشِّفَاءُ، لَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا أَنْتَ»

''اے لوگوں کے پروردگار! بیماری کو دور کردے۔ تیرے ہی ہاتھ میں شفا ہے۔ تیرے سوا اس بیماری کو ٹالنے والا اور کوئی نہیں۔''[1]

② مُعَوِّذَات ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں پر پھونک مار کر ہاتھوں کو جسم پر پھیرتے۔ اسی طرح مریض پر بھی یہ سورتیں پڑھ کر پھونک مارتے۔[2]

③ کسی کے جسم میں کہیں درد یا پھوڑا یا زخم ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگشت شہادت زمین پر رکھتے اور پھر اٹھا لیتے اور درج ذیل دعا پڑھ کر وہ انگلی اس حصۂ جسم پر رکھتے جہاں درد، پھوڑا یا زخم ہوتا۔[3]

«بِسْمِ اللهِ، تُرْبَةُ أَرْضِنَا، بِرِيقَةِ بَعْضِنَا، يُشْفٰى بِهِ سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا»

④ ایک دم یا دعا کرنے کا یہ طریقہ بھی مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مریض کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ اپنے جسم کے درد والے حصے پر رکھے اور تین مرتبہ بِسْمِ اللهِ پڑھے اور سات مرتبہ یہ دُعا پڑھے:[4]

«أَعُوذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ»

---

[1] صحیح مسلم ، السلام، باب استحباب رقیۃ المریض ، حدیث :2191

[2] صحیح مسلم،السلام،باب رقیۃ المریض بالمعوّذات و النفث، حدیث:2192

[3] صحیح مسلم، السلام، باب رقیۃ المریض بالمعوّذات والنفث ، حدیث :2194

[4] صحیح مسلم، السلام، باب استحباب وضع یدہ ...... ، حدیث :2202

حدیث:55

جنت کی بشارت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَطَاعَنِی دَخَلَ الْجَنَّةَ»

''جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں جائے گا۔''[1]

نبی ﷺ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«كُلُّ أُمَّتِی يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰی»

''میری امت کے تمام لوگ جنت میں جائیں گے، سوائے اُس کے جس نے انکار کر دیا۔''

اس موقعے پر ایک شخص نے سوال کیا: ''اللہ کے رسول! جنت میں جانے سے کون انکار کرے گا؟'' اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے میری اطاعت کی، وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے یقیناً جنت میں جانے سے انکار کر دیا۔''[2]

مطلب یہ ہوا کہ جنت میں جانے سے اپنی زبان کے ذریعے سے تو کوئی بھی انکار نہیں کرے گا۔ انسان کا اپنا عمل اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ یہ جنت میں جانا چاہتا ہے یا جہنم

---

[1] صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حدیث: 7280

[2] صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حدیث: 7280

⑤ بعض صحابہ نے سانپ کے ڈسے ہوئے شخص پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفایاب کر دیا۔[1]

⑥ نماز میں شیطانی وسوسے دور کرنے کے لیے نبی ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم'' پڑھ کر تین مرتبہ اپنی بائیں جانب تھوک۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا تو وہ شیطان کے وسوسوں سے بچ گیا۔[2]

⑦ اسی طرح نظر کا دم بھی احادیث میں بیان ہوا ہے اور اس کے بعض طریقے بھی۔

بہر حال دم کرنا، یعنی جھاڑ پھونک جائز ہے۔ ثانیاً، اس حدیث میں اس امر کی ترغیب ہے کہ جس طریقے سے بھی کسی دوسرے شخص کو فائدہ پہنچایا جا سکے، اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ دوسروں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ»

''لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہے۔''[3]

① صحيح مسلم، السلام، باب جواز أخذ الأُجرَة على الرقية بالقرآن والأذكار، حديث:2201

② صحيح مسلم، السلام، باب التعوذ من شيطان الوسوسة……، حديث:2203

③ المعجم الأوسط للطبراني، حديث:5787، وانظر: صحيح الجامع الصغير، حديث:3289

میں۔ جنت میں جانے کی خواہش رکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اطاعت رسول ﷺ کو اپنا شیوہ بنائے، محض زبانی کلامی خواہش سے جنت نہیں ملے گی۔ اور جو شخص اطاعت رسول سے گریز کرے گا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر جنت میں جانے کی خواہش نہیں ہے کیونکہ اس کا عمل جنت میں جانے سے انکار پر مبنی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کے لیے ہر معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری نہایت ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ جیسے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللهَ»

''جس نے میری اطاعت کی، اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے بلاشبہ اللہ کی نافرمانی کی۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

﴿مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدۡ أَطَاعَ ٱللَّهَ﴾

''جس نے رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔''[2]

یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے جس سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا نام ہے۔ کسی ایک کی بھی اطاعت سے انکار، دوسرے کی اطاعت کا انکار ہے، جس کا مطلب اپنے آپ کو دائرۂ اسلام سے خارج کرنا ہے۔ جیسے خود اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا:

---

[1] صحيح البخاری، الجهاد، باب يقاتل من وراء الإمام ويتقى به، حديث : 2957، و صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث : 1835

[2] النساء 4:80

حدیث 16:

بہترین دوست اور ساتھی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ»

''اللہ کے نزدیک ساتھیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے ساتھی کے حق میں بہتر ہے۔''[1]

ساتھی کے لفظ میں خاصی وسعت ہے۔ ایک انسان کسی دفتر یا دکان میں ملازمت کرتا ہے، وہاں اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے ملازم اس کے ساتھی ہیں۔ کسی جگہ کا سفر کرتا ہے تو اس کے ساتھ ریل، ہوائی جہاز یا بس وغیرہ میں سفر کرنے والا بھی اس کا ساتھی ہے، کسی کے ساتھ کاروبار میں شرکت ہے تو وہ اس کا ساتھی ہے، گھر میں اس کی بیوی اس کی ساتھی ہے۔ سکول، کالج، یونیورسٹی اور مدرسے میں پڑھنے والے اس کے ہم سبق اور ہم جماعت اس کے ساتھی ہیں۔ وعلی ھذا القیاس اس کے اور بھی ساتھی ہو سکتے ہیں (جیسے دوست احباب اور کسی دعوت میں شریک اس کا ہم نشین وغیرہ) ان سب کے ساتھ حسن سلوک ضروری ہے، وہ سفر کا ساتھی ہو یا حضر کا، تھوڑی دیر کا ساتھی ہو یا لمبی مدت کا، اس سے ذاتی شناسائی ہو یا نہ ہو، کوئی مفاد وابستہ ہو یا نہ ہو، اس سے ایسا اچھا برتاؤ کیا جائے کہ وہ یاد رکھے کہ کسی اچھے انسان سے واسطہ پڑا تھا، اس کی رفاقت اس کے لیے حسین لمحات اور خوش گوار یادوں میں ڈھل جائے۔ ایسے ساتھی کو لوگ بھی اچھے لفظوں سے یاد کرتے ہیں اور اللہ کے ہاں بھی وہ معزز و مکرم اور حسنِ رفاقت کی وجہ سے حسنِ صلہ کا مستحق ہو گا۔

---

[1] جامع الترمذی، البر والصلة ، باب ماجاء فی حق الجوار، حدیث : 1944

﴿قُلْ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٣٢﴾﴾

''کہہ دیجیے، اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر یہ اس سے منہ پھیریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔''[1]

الرسول، سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ مراد ہیں۔ اور آپ کی اطاعت کا مطلب، آپ کے فرامین، یعنی احادیث کو دین میں حجت ماننا ہے۔ گویا حدیث سے انکار یا اعراض اسی طرح کفر ہے جیسے قرآن کا انکار یا اس سے اعراض کفر ہے۔ اَعَاذَنَا اللهُ منه.

[1] آل عمران 32:3

حدیث:17

دوست کس کو بنائیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلرَّجُلُ عَلٰی دِینِ خَلِیلِهِ، فَلْیَنْظُرْ أَحَدُکُمْ مَّنْ یُّخَالِلُ»

''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس تم میں سے ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس کو دوست بنا رہا ہے؟''[1]

دوست سے مراد، سفر و حضر اور عسر و یسر کا ایسا ساتھی ہے جو ہر حالت میں اس کے ساتھ رہتا اور اس کی مدد کرتا ہے۔ یہ دوست نیک، دیندار اور پرہیزگار ہوگا تو اس کی صحبت کے اثر سے دوسرا شخص بھی نیک اور پرہیزگار بن جائے گا۔ اس کے برعکس اگر وہ بدچلن اور بدکردار ہوگا تو اس کے برے کردار کا اثر اس کے ساتھی پر بھی پڑے گا اور اسے بگاڑ دے گا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں جس کو جیسی صحبت میسر آتی ہے، وہ اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ ایک شرابی کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والا شرابی، چور کے ساتھ رہنے والا چور اور بے حیا کا ہم نشین بے حیا بن جاتا ہے۔ بقول مولانا رومی:

صحبت صالح، ترا صالح کند
صحبت طالح، ترا طالح کند

نیک آدمی کی صحبت، تجھے نیک اور برے آدمی کی صحبت برا بنا دے گی۔

---

[1] سنن أبی داود، الأدب، باب من یؤمر أن یجالس...... حدیث:4833، وصحیح الجامع الصغیر، حدیث:3545

حدیث: 56

جنت میں نبی ﷺ کی معیت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ»

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ہوں گے۔''[1]

''جنت میں ہوں گے'' کا مطلب: جنت میں اس طرح ہوں گے جیسے سبابہ(انگشتِ شہادت) اور درمیانی انگلی ساتھ ساتھ ہیں، یعنی قرب ومنزلت میں دونوں کے درمیان اتنا فرق ہوگا جتنا ان دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں داخل ہوتے وقت نبی ﷺ کا قرب حاصل ہوگا، یعنی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں نبی ﷺ کی رفاقت میں سب سے پہلے داخل ہونے والوں میں سے ہوگا۔

یتیم سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جن کے والدین یا والد فوت ہو گیا ہو۔ یتیم اپنا ہو یا کوئی غیر، سب کی کفالت یکساں اجر کی مستحق ہے جیسے کوئی دادا اپنے یتیم پوتے کی، کوئی چچا اپنے یتیم بھتیجے کی یا کوئی بھائی اپنے یتیم بھائی کی یا اسی طرح کوئی اور قرابت دار اپنے کسی قریبی یتیم کی کفالت کرے۔ یا باپ فوت ہو جائے تو ماں یا ماں فوت ہو جائے تو باپ کفالت کرے۔ یا کوئی بھی رشتے داری نہ ہو لیکن یتیم بچے کی محض اللہ کی رضا کے لیے کفالت کرے۔ دونوں صورتوں میں کفیل مذکورہ فضیلت کا مستحق ہوگا۔

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب فضل من يعول يتيماً ، حديث :6005

اور شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ؎

پسر نوح بابداں بہ نشست
خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شد

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بروں کی صحبت میں بیٹھا تو اپنے خاندان نبوت کے شرف سے محروم ہو گیا اور اصحاب کہف کا کتا چند روز نیک لوگوں کے ساتھ رہا تو اس کا شمار صالح مردوں میں ہو گیا۔

اس بات کو نبی ﷺ نے بڑے حکیمانہ انداز میں ایک مثال کے ذریعے سے اس طرح واضح فرمایا:

''نیک ہم نشین اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کستوری بیچنے والا اور لوہار بھٹی پھونکے والا ہے۔ کستوری والے سے ایک چیز تجھے ضرور حاصل ہو گی یا تو اس سے کستوری خرید لے گا یا کم از کم اس کی خوشبو سے تیرا مشامِ جان ضرور معطر ہو گا۔ اور لوہار کی بھٹی تیرے جسم یا تیرے کپڑے کو جلا دے گی، یا اس کی سخت بدبو سے تیرا دماغ ضرور تکلیف محسوس کرے گا۔''[1]

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب في العطار وبيع المسك، حديث: 2101

کفالت کا مطلب ہے ان کی نگرانی کرنا، ان کی ضروریات زندگی فراہم کرنا اور شفقت سے ان کو پالنا۔ اگر وہ صاحب جائداد ہیں تو بغیر کسی حرص وطمع کے ان کی جائداد کی بھی حفاظت کرنا تاکہ وہ ضائع نہ ہو اور اگر ممکن ہو تو اسے کاروبار میں لگا دے تاکہ وہ سالانہ زکاۃ ہی میں ختم نہ ہو جائے۔ اسی طرح ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا جیسے انسان اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے۔

اگر اسلامی معاشرے میں ان تعلیمات پر صحیح معنوں میں عمل ہو تو یتیم اور بے سہارا بچوں کی کفالت اور تعلیم وتربیت کا کام نہایت آسانی اور خاموشی کے ساتھ انجام پا سکتا ہے۔ کوئی بچہ بھی محرومی یا غیر آسودہ زندگی کا شکوہ نہیں کر سکتا' نہ وہ بے راہ روی کا شکار ہو سکتا ہے۔ اس طرح والدین کو اپنی زندگی میں اپنی اولاد کے مستقبل کے لیے سودی اسکیموں (انشورنس وغیرہ) میں حصہ دار بننے کی ضرورت بھی لاحق نہیں ہوگی۔

دوستی کا معیار

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا ، وَّلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ»

''تو صرف مومن کو ساتھی بنا اور تیرا کھانا صرف پرہیز گار کھائے۔''①

انسان جس کو اپنا دوست اور ساتھی بناتا ہے، اس کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے کا عام اتفاق ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی عادات وخصائل غیر شعوری طور پر اس کے اندر اثر کرنا شروع کر دیتی ہیں اور انسان بتدریج اس کے رنگ میں رنگتا چلا جاتا ہے۔ اس کا ہم نشین اگر شراب نوش ہوگا تو آہستہ آہستہ شراب نوشی کی عادت اس کو بھی اپنی طرف کھینچے گی اور وہ بھی اس کی صحبت میں رہ کر شراب نوش ہو جائے گا۔ اگر ساتھی نیک اور پاکباز ہوگا تو اس کی نیکی اور پارسائی کا اثر اس کے اندر بھی سرایت کرے گا اور آہستہ آہستہ اسے بھی نیک اور پارسا بنا دے گا، اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ'' تم اپنا ساتھی اور دوست مومن کے سوا کسی کو مت بنانا'' اگر تم نے کسی غیر مومن کے ساتھ یارانہ گانٹھ لیا تو خطرہ ہے کہ تم ایمان کی دولت ہی کھو بیٹھو گے۔

اسی طرح فرمایا کہ'' تم کھانا بھی صرف پرہیز گار لوگوں کو کھلاؤ'' اس لیے کہ نیک آدمی کھانا کھا کر تمھیں اچھی دعا سے نوازے گا، جو اگر قبول ہوگئی تو تمھارے وارے نیارے ہو جائیں

① سنن أبي داود، الأدب، باب من يؤمر أن يجالس...... حديث:4832، وصحيح الجامع الصغير، حديث :7341
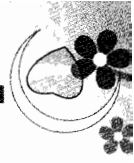
حدیث:57

شیاطین سے بچاؤ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ»

''میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے۔''[1]

نبی ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو متذکرہ بالا دعا پڑھتے تھے۔ ناپاک جگہوں پر جنات کا کثرت سے آنا جانا رہتا ہے، اس لیے بیت الخلا یا باہر کھیتوں وغیرہ میں قضائے حاجت کے لیے جاتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ جنات وغیرہ کی شرارتوں سے محفوظ رکھے۔

[1] سنن ابن ماجه، الطهارة، باب ما يقول إذا دخل الخلاء، حديث: 298

گے۔ علاوہ ازیں نیک لوگوں کی خدمت بھی کارثواب ہے۔ آج کل لوگ صرف دوستیوں اور قرابت داریوں کی وجہ سے تو ایک دوسرے کی دعوت کرتے ہیں لیکن کسی مومن متقی آدمی کی دعوت محض اس کے اتقا اور زہد و ورع کی وجہ سے نہیں کرتے۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ

اس حدیث میں اس امر کی ترغیب ہے کہ دعوت و ضیافت نیک لوگوں کی کی جائے۔[1]

[1] دعوت سے مقصود اکثر و بیشتر بلائے جانے والے کی عزت و تکریم کرنا ہوتا ہے۔ اور مومن اور متقی ہی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی تکریم کی جائے جہاں تک کافر یا فاسق کا تعلق ہے تو ان سے ضرورت سے زیادہ ربط مضر اور ممنوع ہے۔

حدیث:58

ہر تکلیف سے بچاؤ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بِسْمِ اللهِ الَّذِى لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ شَىْءٌ فِى الْأَرْضِ وَلَا فِى السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ»

''اس اللہ کے نام سے، جس کے نام کے ساتھ آسمان و زمین میں کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔''[1]

نبی ﷺ نے فرمایا: جو آدمی صبح اور شام کے وقت تین مرتبہ یہ دعا پڑھے گا' اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ عنہ کو فالج ہو گیا، تو ایک آدمی حیرت سے دیکھنے لگا۔ اُس نے نظر تعجب سے اس لیے دیکھا کہ اس حدیث پر انھوں نے عمل کیوں نہیں کیا جسے خود بیان کرتے ہیں؟ حضرت ابان نے پوچھا، تو کیا دیکھتا ہے؟ پھر فرمایا: واقعہ یہ ہے کہ وہ حدیث ٹھیک اس طرح ہے جیسے میں نے تجھ سے بیان کی لیکن جس روز مجھ پر فالج گرا' میں یہ دعا پڑھ ہی نہیں سکا، تا کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی تقدیر نافذ کر دے۔

صبح و شام یہ دعا پڑھنی چاہیے تا کہ انسان ہر تکلیف سے محفوظ رہ سکے۔

---

[1] جامع الترمذی، الدعوات، باب ما جاء فی الدعاء إذا أصبح و إذا أمسی، حدیث :3388

حدیث: 19

بہترین پڑوسی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَ اللهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ»

''پڑوسیوں میں سے بہترین پڑوسی اللہ کے ہاں وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے سب سے بہتر ہے۔''[1]

اسلام میں پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ»

''جبریل مجھے پڑوسی کے بارے میں برابر تاکید وتلقین کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ وہ اسے یقیناً وارث قرار دے دیں گے۔''[2]

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَاللهِ! لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ! لَا يُؤْمِنُ، وَاللهِ! لَا يُؤْمِنُ، قِيلَ: وَمَنْ؟ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ»

''اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ مومن نہیں'' آپ

---

[1] جامع الترمذی، البر والصلة، باب ما جاء فی حق الجوار، رقم: 1944

[2] صحيح البخاری، الأدب، باب الوصاة بالجار، حديث: 6014، 6015، وصحيح مسلم، البر والصلة، باب الوصية بالجار والإحسان إليه، حديث: 2625

باب : 6
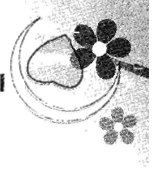
سے پوچھا گیا، اللہ کے رسول! کون۔ (کس کی بابت آپ یہ فرما رہے ہیں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور دسیسہ کاریوں سے محفوظ نہ ہو۔''[1]

ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ»

''جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔''[2]

نبی ﷺ کی ایک اور حدیث ہے، اس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيرَانَكَ»

''اے ابوذر! جب تم شوربے والا سالن پکاؤ، تو اس کا شوربہ زیادہ کرلیا کرو اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھا کرو۔''[3]

ان احادیث سے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے ساتھ، حسن سلوک کے آداب و حدود بھی واضح ہو جاتے ہیں، مثلاً: اس کے ساتھ اپنوں کا سا معاملہ کیا جائے نہ کہ بیگانوں کا سا- انسان اس کا دوست بن کر رہے نہ کہ دشمن، اس کا ہمدرد و خیر خواہ ہو نہ کہ اس کا بدخواہ اور سنگدل- علاوہ ازیں یہ حسن سلوک، کمال ایمان کے لیے بھی ضروری ہے اور آخرت میں سرخروئی کے لیے بھی ناگزیر۔ ایک مومن عند اللہ اسی طرح ہی بہتر درجہ حاصل کرسکتا ہے۔ وَفَّقَنَا اللهُ لِهٰذَا.

---

[1] صحيح البخاری، الأدب، باب إثم من لا يأمن جاره بوائقه ، حديث : 6016

[2] صحيح البخاری، الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، حديث : 6018

[3] صحيح مسلم، البر والصلة ، باب الوصية بالجار والإحسان إليه ، حديث :2625

حدیث:59

علم کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ»

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''[1]

ہر مسلمان سے مراد، مرد اور عورت ہے، یعنی ہر مسلمان چاہے مرد ہو یا عورت، اس کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ علم سے مراد، شریعت، یعنی حلال وحرام اور جائز و ناجائز کا علم ہے تاکہ ایک مسلمان صرف حلال اور جائز کام کرے اور حرام اور ناجائز کاموں سے اجتناب کرے۔ اس علم کی بڑی فضیلت ہے۔ اس بارے میں چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد نبوی ہے:

«وَإِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ كُلُّ شَيْءٍ، حَتَّى الْحِيتَانُ فِي الْبَحْرِ»

''طالب علم کے لیے ہر چیز حتی کہ سمندر کی مچھلیاں بھی بخشش کی دعا کرتی ہیں۔''[2]

---

[1] المعجم الكبير للطبراني:240/10، و صححه الألباني فى صحيح الجامع الصغير، حديث: 3913

[2] جامع بيان العلم و فضله لابن عبدالبر، حديث:17،و صححه الألباني فى صحيح الجامع الصغير، حديث:3914

حدیث:20

تحائف کا تبادلہ، ذریعۂ محبت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَهَادَوا تَحَابُّوا»

''ایک دوسرے کو ہدیے (تحفے) دو! اس سے تم باہم محبت کرو گے۔''[1]

اس میں ایک دوسرے کو ہدیہ (تحفہ اور عطیہ) دینے کا حکم اور تاکید ہے۔ اس کا فائدہ یہ بتلایا گیا ہے کہ اس سے دلوں کا کینہ اور بغض دور ہوتا ہے اور احترام و محبت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

ہدیے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ بیش قیمت ہی ہو بلکہ حسب استطاعت ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاحب حیثیت بنایا ہے تو اچھے سے اچھا ہدیہ دو۔ اور زیادہ طاقت نہیں ہے تو ادنیٰ چیز بھی ہدیتاً دی جاسکتی ہے۔

کوئی معمولی چیز کا ہدیہ دے تو ہدیہ دینے والے کو حقیر سمجھا جائے نہ ہدیے میں دی گئی چیز کو کم تر خیال کیا جائے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِّجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ»

''کوئی پڑوسن، اپنی پڑوسن کو (یا اس کے ہدیے کو) حقیر نہ سمجھے، اگرچہ (اس کا بھیجا ہوا

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي: 169/6، والأدب المفرد للبخاري، حديث:594، وحسنه الألباني في صحيح الأدب المفرد، حديث:462، ص :240/2، وإرواء الغليل :44/6

اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتے طالب علم کی خوشی کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں۔''[1]

''ایک عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چاند کو چودھویں کی رات میں تمام کواکب پر فضیلت حاصل ہے۔''[2]

''انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کا سلسلۂ عمل بھی منقطع ہو جاتا ہے لیکن تین چیزوں کا ثواب جاری رہتا ہے۔ ایک، صدقہ جاریہ کا، دوسرے، نیک اولاد اس کے حق میں دعائے خیر کرتی رہے تو اس کی وجہ سے اس کے درجات بلند ہوتے رہتے ہیں اور تیسرے، وہ علم جس سے لوگ فیض یاب ہوتے رہیں، اس کا اجر صاحب علم کو ملتا رہے گا۔''[3]

اس کی تشریح ایک اور حدیث میں اس طرح آئی ہے:

''ایک مومن کو اس کی موت کے بعد، اس کے عمل اور حسنات (نیکیوں) سے درج ذیل چیزیں پہنچتی ہیں: وہ علم جو اس نے حاصل کیا اور اسے پھیلایا (تدریس وتعلیم کے ذریعے سے، تصنیف و تالیف یا وعظ وتبلیغ یا کتابوں کی نشر و اشاعت کے ذریعے سے) اپنے پیچھے نیک اولاد چھوڑ گیا، یا قرآن مجید چھوڑ گیا، یا مسجد بنا گیا یا مسافروں کے لیے کوئی گھر بنا گیا، یا کوئی نہر جاری کر گیا، یا کوئی صدقہ اپنی صحت اور زندگی کی حالت میں کیا کہ وہ اسے اس کی موت کے بعد ملے۔''[4]

---

① سنن أبی داود، العلم، حدیث:3641، وصححه الألبانی فی صحیح الجامع الصغیر،حدیث: 1956

② سنن أبی داود، العلم، حدیث:3641، و صححه الألبانی فی صحیح الجامع الصغیر حدیث : 4213

③ صحیح مسلم،الوصیة،باب مایلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حدیث :1631

④ سنن ابن ماجه، المقدمة، حدیث:242، و حسنه الألبانی
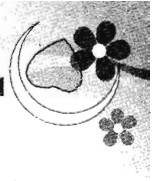
ہدیہ) بکری کا کھر ہی ہو۔''[1]

ہمارے معاشرے میں معمولی چیز کے ہدیے کو بھی اور ہدیہ بھیجنے والے کو بھی حقیر سمجھا جاتا ہے، اس لیے غریب اور کم تر حیثیت کے افراد ایک دوسرے کو ہدیہ دینے سے گریز کرتے ہیں۔ اور یوں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت اس فرمان نبوی پر عمل کرنے سے محروم رہتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی اصلاح کریں اور کسی بھی دوست، رشتے دار یا پڑوسی کے ہدیے کو حقیر سمجھیں نہ اس کی بنا پر ہدیہ بھیجنے والے کو کم تر خیال کریں۔

ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ یا دیگر تقریبات کے موقعے پر ایک دوسرے کو ہدیہ دینے کا رواج ہے۔ یہ ایک اچھی رسم ہے جس کی بنیاد باہمی تعاون کے جذبے پر ہے۔ لیکن اس میں خرابی یہ پیدا ہوگئی ہے کہ ہدیہ دینے والا، اسے قرض کے طور پر دیتا ہے اور لینے والا بھی اسے اپنے ذمے قرض ہی سمجھتا ہے، چنانچہ ایک دوسرے کی شادیوں اور دیگر تقریبات میں ان تحائف وہدایا کا تبادلہ اسی نقطۂ نظر سے کیا جاتا ہے اور تبادلے میں سابقہ ہدیے کی مالیت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

یہ بات تو صحیح ہے کہ نبی ﷺ کو کوئی شخص ہدیہ دیتا، تو آپ ﷺ اس کے بدلے میں اس سے بہتر ہدیہ اسے پیش فرماتے اور اپنی امت کو بھی آپ ﷺ نے اسی اسوۂ حسنہ کے اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ایک شخص کے پاس اتنی ہی مالیت کا ہدیہ دینے کی توفیق نہیں ہے جتنی مالیت کا ہدیہ اس کو اس سے پیشتر اس کے کسی عزیز یا دوست نے دیا ہے، تو وہ قرض کا بوجھ اٹھا کر اتنی ہی مالیت کا ہدیہ اسے دے، بالخصوص جب کہ قرض کا بوجھ اس کے لیے ناقابل برداشت ہو۔ اسی طرح یہ بھی زیبا نہیں کہ ایک شخص صاحب حیثیت ہے اور بطور تعاون زیادہ ہدیہ دے سکتا ہے لیکن وہ سابقہ ہدیے کے پیش نظر زیادہ تعاون سے گریز کرے، بالخصوص جب کہ وہ دوسرا شخص زیادہ تعاون کا مستحق اور ضرورت مند ہو۔

---

[1] جامع الترمذی، الولاء والھبۃ، باب فی حث النبی ﷺ علی الھدیۃ، حدیث: 2130

''صرف دو شخصوں پر رشک کرنا جائز ہے، ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور پھر اسے راہِ حق میں خرچ کرنے کی توفیق سے نوازا، اور دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت دی (یعنی شریعت کی سوجھ بوجھ) پس وہ اسی کے ساتھ فیصلے کرتا اور لوگوں کو بھی سکھاتا ہے۔''[1]

ان تمام روایات سے علم شریعت کی فضیلت واضح ہے۔علم کے بارے میں بعض باتیں بڑی مشہور ہیں لیکن ان کی کوئی اصل نہیں، مثلاً:

«طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ»

اس میں ((مُسْلِمَةٍ)) کا لفظ ثابت نہیں، اس لیے اس کا استعمال بھی جائز نہیں۔

«اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّينِ»

''علم حاصل کرو اگر چہ چین میں ہو۔''

یہ بھی سنداً ثابت نہیں، اس لیے یہ بات مقولے کی حد تک صحیح ہے۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ علم حاصل کرنے کے لیے تمھیں چین جیسے دور دراز ملک بھی جانے کی ضرورت پیش آئے تو اس سے دریغ نہیں کرنا چاہیے، تاہم یہ حدیث رسول ﷺ نہیں، جیسا کہ مشہور ہے:

«اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ إِلَى اللَّحْدِ»

''علم حاصل کرو، گہوارے سے لے کر قبر کے اندر جانے تک۔''

یہ بات بھی مقولے کی حد تک صحیح ہے۔یقیناً علم ایسا بحرِ بے کراں ہے کہ اس کے سرے اور تہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا اور انسان مرتے دم تک طالب علم ہی رہتا ہے، تاہم یہ حدیث

---

[1] صحیح البخاری، العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمة، حدیث:73 و صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه ......، حدیث:816

اس لیے اخوت اور سچی ہمدردی کا جذبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ شادی بیاہ کے موقعوں پر ہدیوں کے تبادلے میں تعاون کی روح کارفرما ہونی چاہیے، یعنی ہدیے گزشتہ ہدایا کو سامنے رکھ کر نہ دیے جائیں بلکہ اپنی حیثیت اور دوسرے کی ضرورت کے مطابق دیے جائیں۔ اس صورت میں تقریبات پر تحائف وہدایا کا تبادلہ، قرض کے زمرے سے نکل کر باہمی تعاون کی ایک بہترین شکل میں تبدیل ہو جائے گا اور اسلامی تعلیمات کا نہایت عمدہ مظہر قرار پائے گا۔

رسول ﷺ نہیں ہے:

«اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْحَكِيمِ ، فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا»

''دانائی کی بات، مومن کی متاع گم شدہ ہے، اس لیے جہاں بھی اسے پائے، وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ علم و دانائی کی بات کبھی ایسے شخص کے منہ سے بھی نکل آتی ہے جو علم و دانش سے بے بہرہ ہوتا ہے، اس لیے دانا آدمی جب بھی اس سے آگاہ ہو اس کو اپنا لے کیونکہ وہی اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے لیکن سنداً یہ بھی سخت ضعیف ہے، اس لیے اس کا انتساب بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف نہیں کرنا چاہیے۔

حدیث: 21

مخلوق پر رحم کرنے کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَاءِ»

''تم اہل زمین پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''[1]

اس حدیث کے ابتدائی الفاظ ہیں:

«اَلرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى»

''رحم کرنے والوں پر رحمٰن تبارک وتعالیٰ رحم فرماتا ہے۔''[2]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرے۔ اہل زمین میں انسانوں کے ساتھ جانور (چوپائے، چرند، پرند) سب شامل ہیں کیونکہ یہ بھی زمین ہی میں بستے ہیں۔ سب کے ساتھ نرمی اور رحم وشفقت کا معاملہ کرنا ضروری ہے، اس لیے کہ جب رحم وشفقت سے انسان اللہ کی رحمت کا مستحق ہوگا تو اہل زمین کے ساتھ ظالمانہ اور سنگ دلانہ سلوک کرنے سے وہ اللہ کے غضب وعتاب کا مستحق قرار پائے گا۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا﴾

---

[1] جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة الناس، حدیث: 1924، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 3522

[2] جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی رحمة الناس، حدیث: 1924

حدیث:60

بہترین لوگ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ»

''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور (دوسروں کو) سکھائے۔''[1]

قرآن، اللہ کا کلام ہے۔ اس اعتبار سے [كَلَامُ الْمُلُوكِ مُلُوكُ الْكَلَامِ] ''بادشاہ کا کلام، کلام کا بادشاہ ہوتا ہے'' کا مصداق ہے۔ علاوہ ازیں اس میں انسانی زندگی کے لیے ایسے اصول وضوابط کا بیان ہے جن میں انسانوں کی سعادت وکامرانی کا راز مضمر ہے، اس لحاظ سے وہ تمام علوم میں سب سے افضل اور اشرف علم ہے۔ پھر اسے خود سیکھ کر دوسروں کو سکھلانے سے اس کا فیض اور نفع بھی عام ہوجاتا ہے جس سے سکھلانے والے کے درجات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اسی مفہوم کو قرآن کریم کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾﴾

''اور اُس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور خود بھی عمل صالح کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں؟''[2]

[1] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن ...... ، حديث: 5027

[2] حم السجدة 33:41

''اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر سے کام لیں۔''[1]

اور اس کے بعد فرمایا:

﴿أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَكُمْ﴾

''کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں بخش دے؟''[2]

یعنی اگر تم اللہ کی مغفرت کے خواہش مند ہو، تو تم بھی لوگوں کو ان کی غلطیاں اور کوتاہیاں معاف کر دیا کرو۔ گویا تم مخلوق کے ساتھ جیسا معاملہ کرو گے، خالق کائنات تمھارے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا۔

---

[1] النور 22:24

[2] النور 22:24

اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا کئی طریقوں سے ہوسکتا ہے۔ایک طریقہ تعلیم قرآن بھی ہے،یعنی لوگوں کوقرآن کی تعلیم دینا تا کہ اس کے ذریعے سے وہ اللہ کی طرف آئیں اوراس کی فرماں برداری اختیار کریں۔گویا تعلیم قرآن کے ذریعے سے دعوت اِلیٰ اللہ کا کام سب سے بہتر اور اس کا کرنے والا بھی سب سے بہتر ہے۔تعلیم قرآن میں تدریس، وعظ وتبلیغ،تشریح وتوضیح اور اس کی نشر واشاعت سب شامل ہیں۔ ہر مسلمان کواس بشارت الٰہی کا مستحق بننے کی سعی کرنی چاہیے۔
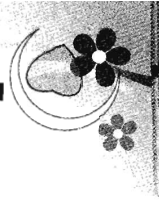
حدیث: 22

رحمتِ الٰہی کا مستحق کون؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا یَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا یَرْحَمُ النَّاسَ»

''اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔''[1]

رحم وشفقت کا جذبہ، اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہے اس سے بہرہ ور ہونا یقیناً ایک سعادت اور اس سے محرومی شقاوت ہے۔

ایک مرتبہ نبی ﷺ نے اپنے نواسے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا، اس وقت آپ کے پاس حضرت اقرع بن حابس تمیمی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا، میرے دس بچے ہیں، میں نے تو ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا:

«مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ»

''جو رحم نہیں کرتا، اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''[2]

ایک اور دیہاتی نبی ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا: آپ لوگ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں؟ ہم تو ان کو بوسہ نہیں دیتے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ نے تمھارے دل سے شفقت کا جذبہ نکال

---

[1] صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿قل ادعوا اللّٰہ﴾ ...... ، حدیث: 7376

[2] صحیح البخاری، الأدب ، باب رحمة الولد وتقبیله ومعانقته ، حدیث: 5997

حدیث:61

خوبصورت آواز میں تلاوت کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ»

''قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو۔''[1]

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا نازل کردہ مقدس صحیفہ ہے۔ احادیث میں اس کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ مثلاً:

- اس کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملیں گی جیسے ﴿الٓم﴾ کسی نے پڑھا، تو یہ تین حرف ہیں، صرف اس کے پڑھنے ہی سے انسان 30 نیکیوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔[2]
- یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرے گا۔[3]
- اس کے سیکھنے اور سکھلانے والے سب سے بہتر ہیں۔[4]
- اس پر عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ سر بلند فرماتا اور اس سے اعراض کرنے والوں کو پستی میں مبتلا کر دیتا ہے۔[5]

---

① سنن أبي داود، الوتر، باب كيف يستحب الترتيل فى القراءة ، حديث:1468، والسلسلة الصحيحة للألبانى، حديث:771

② جامع الترمذى،فضائل القرآن،باب ماجاء فى من قرأ حرفاً......،حديث: 2910

③ صحيح مسلم،صلاة المسافرين،باب فضل قراءة القرآن......، حديث:804

④ صحيح البخارى، فضائل القرآن،باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، حديث: 5027

⑤ صحيح مسلم،صلاة المسافرين،باب فضل من يقوم بالقرآن......، حديث:817

دیا ہے تو میرا اس میں کیا اختیار ہے۔''[1]

حدیث میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک عورت نے بلی کو پکڑ کر باندھ دیا اور اسے کھانے کو دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ خود چل پھر کر کھا لیتی۔ یہ عورت اس بے رحمی کی وجہ سے جہنم کی مستحق ہوگئی۔[2]

اس کے برعکس ایک اور واقعہ یہ بیان ہوا ہے کہ ایک بدکار عورت ایک کنویں کے کنارے سے گزری جس کے پاس ایک کتا پیاس کی شدت سے ہانپ رہا تھا اور قریب تھا کہ پیاس سے مر جاتا۔ اس عورت نے اپنا موزہ اتار کر اپنی چادر سے باندھا اور کنویں میں لٹکا کر اس سے اس کتے کے لیے پانی کھینچا اور اسے پانی پلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے اس عمل کی وجہ سے بخش دیا۔[3]

اس سے واضح ہے کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ رحم وشفقت کا معاملہ کرنا اللہ کو پسند اور بے رحمی کا مظاہرہ کرنا اس کی ناراضی کا سبب ہے۔

[3] صحیح البخاری، الأدب، باب رحمة الولدو تقبیله و معانقته، حدیث:5998

[1] صحیح البخاری، بدء الخلق،باب إذا وقع الذباب...... حدیث:3318

[2] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب إذا وقع الذباب......، حدیث:3321

- اس کو ماہرانہ انداز اور روانی سے پڑھنے والا بلند مرتبہ فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور اٹک اٹک کر پڑھنے والا دگنے اجر کا مستحق۔[1]
- جن لوگوں پر رشک کرنا جائز ہے، ان میں ایک وہ شخص بھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی دولت سے نوازا اور وہ رات اور دن کی گھڑیوں میں اس کے ساتھ قیام (اللہ کی عبادت) کرتا ہے۔[2]
- جنت میں صاحب قرآن کو کہا جائے گا، پڑھتا جا اور جنت کے درجوں پر چڑھتا جا اور اس طرح ترتیل سے پڑھ جیسے دنیا میں پڑھتا تھا۔ تیرا مقام وہ ہوگا جہاں تو آخری آیت پڑھتا ہوا پہنچے گا۔[3]
- قرآن کریم کی مذکورہ فضیلتوں کے علاوہ اسے حسن صوت (خوبصورت آواز) سے پڑھنے کی بھی تاکید اور فضیلت ہے جیسا کہ پہلی حدیث میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے پیغمبر کی قراءت کو، جو اچھی آواز سے پڑھتا تھا سب سے زیادہ توجہ اور خوشی سے سنا۔[4]
- اچھی آواز سے پڑھنے کا مطلب، تکلف اور تصنع یا موسیقی کے زیر و بم کے ساتھ پڑھنا نہیں ہے جیسا کہ بہت سے قاری کرتے ہیں بلکہ مقصد تجوید و ترتیل اور درد و سوز سے پڑھنا ہے۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم قرآن بہت اچھا پڑھتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمائش کر کے قرآن سنتے تھے۔[5]

---

① صحیح مسلم،صلاۃ المسافرین،باب فضل الماھر بالقرآن......،حدیث:798
② صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، حدیث:5025، وصحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن......، حدیث:815
③ جامع الترمذی،فضائل القرآن، باب أن الذی لیس فی......، حدیث:2914
④ صحیح مسلم،صلاۃ المسافرین، باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن، حدیث:792
⑤ صحیح مسلم،صلاۃ المسافرین، باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن، حدیث:793

حدیث: 23

چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی عزت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا»

''وہ شخص ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا۔''[1]

گویا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ چھوٹوں پر رحم وشفقت اور بڑوں کا ادب و احترام کرے۔ اس کے بغیر اس کی مسلمانی خام ہے۔

چھوٹوں سے مراد چھوٹے بچے ہیں، اپنے ہوں یا بیگانے حتی کہ دوست کے بچے ہوں یا دشمن کے، سب کے ساتھ پیار اور شفقت کا معاملہ کرنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کافروں سے نبرد آزما ہونے والے مسلمانوں کو تلقین کی ہے کہ وہ صرف برسرپیکار کافروں کو اپنی تلواروں اور گولیوں کا نشانہ بنائیں، چھوٹے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو کچھ نہ کہیں۔ ہاں! ان میں سے اگر کوئی کسی طریقے سے مسلمانوں کے خلاف کارروائی میں حصہ لے رہا ہو تو اور بات ہے، پھر اس کا قتل بھی جائز بلکہ ضروری ہوگا لیکن عام حالات میں انھیں قتل کرنا ممنوع ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بڑے منصب پر فائز ہے تو وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے جیسے ایک خلیفۂ وقت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ ہمدردی وشفقت کا معاملہ کرے۔

[1] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في رحمة الصبيان، حديث: 1919، والسلسلة الصحيحة للألباني، حديث: 2196

سورۂ اخلاص کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْاٰنِ»

''سورۂ ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾ تہائی (1/3) قرآن کے برابر ہے۔''[1]

سورۂ اخلاص کی، جسے سورۂ ﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَد﴾ بھی کہتے ہیں، یہ فضیلت ہے کہ اسے ایک مرتبہ پڑھنے کا اجر وثواب اتنا ہے جتنا ایک تہائی قرآن پڑھنے کا ہے۔ گویا اس کو تین مرتبہ پڑھ لینے سے پورے قرآن کا ثواب مل جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان قرآن پڑھنے سے بے نیاز ہو جائے اور صرف اسے تین مرتبہ پڑھ کر سمجھ لے کہ بس! مجھے سارے قرآن کا ثواب مل گیا ہے، اس لیے کہ کسی چیز کا، کسی اور چیز کے برابر اجر وثواب کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اب دوسری چیز کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی، جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رمضان المبارک میں عمرہ کرنا، میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے'' تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب حج کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

نبی ﷺ رات کو سونے سے قبل جو سورتیں پڑھتے تھے، ان میں ایک یہ سورت بھی تھی۔ بعض صحابہ ہر رکعت میں دیگر سورتوں کے ساتھ اسے بھی ضرور پڑھتے تھے جس پر نبی ﷺ نے

[1] صحیح البخاری، التوحید و فضائل القرآن، باب فضل قل هو اللّٰه أحد، حدیث: 7374,6643,5013

بڑوں سے مراد عمر میں بڑا ہونا ہے۔ چھوٹی عمر کے لوگ اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کا احترام کریں ۔ جیسے چھوٹے بہن بھائی، بڑے بہن بھائی کا،اور اولاد اپنے ماں باپ کا اور عام افراد اپنے خاندان، قبیلے اور محلے کے بزرگوں کا ادب کریں۔ اسی طرح کوئی علم و فضل اور شرف و مجد میں ممتاز ہے تو وہ بھی قابل احترام ہے اور اس کی تکریم ضروری ہے۔

نبی ﷺ نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا تھا جب آپ لوگوں کے ہمراہ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک بزرگ آدمی آپ سے ملنے آیا لیکن لوگوں نے اس کے لیے مجلس کو فراخ کرنے میں تاخیر کی جس پر آپ نے مذکورہ بات ارشاد فرمائی۔ اس سے ادب واحترام کی بعض صورتوں کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔

فرمایا: ''تمھاری اس کے ساتھ محبت تمھیں جنت میں لے جائے گی۔''[1]

بہر حال یہ مختصر سی سورت بڑی فضیلت کی حامل ہے۔ اس میں ان لوگوں کا بھی رد ہے جو متعدد خداؤں کے قائل ہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات ہے۔ ان کا بھی رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں، اس لیے کہ اس میں بتلایا گیا ہے کہ نہ اس نے کسی کو جنا ہے نہ وہ جنا گیا ہے۔ اسی طرح ان کا بھی رد ہے جو دوسروں کو اس کا شریک گردانتے ہیں یا جو سرے سے وجود باری تعالیٰ ہی کے قائل نہیں۔ اس لحاظ سے یہ بڑی جامع سورت ہے۔

[1] صحيح البخاری، الأذان، باب الجمع بين السورتين فی الركعة، حديث: 774
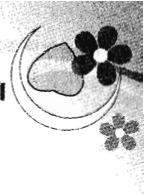
حدیث:24

تیمارداری کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُودُوا الْمَرِيضَ»

''بیمار کی مزاج پرسی کرو۔''[1]

اس سے پہلے حدیث میں یہ الفاظ ہیں:[أَطْعِمُوا الْجَائِعَ] ''بھوکے کو کھانا کھلاؤ۔'' اور آخر میں ہے:[وَفُكُّوا الْعَانِيَ] ''قیدی کو آزاد کردو۔'' ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

«عُودُوا الْمَرِيضَ وَاتْبَعُوا الْجَنَائِزَ، تُذَكِّرْكُمُ الْآخِرَةَ»

''بیماروں کی تیمارداری کرو، جنازوں کے ساتھ جاؤ، یہ چیزیں تمھیں آخرت کی یاد دہانی کرائیں گی۔''[2]

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماروں کی تیمارداری اور مزاج پرسی کی ایک وجہ باہمی تعاون اور دوسری وجہ آخرت کی یاد دہانی ہے۔ جب انسان ایک مریض کے پاس جاتا ہے تو مریض کو حوصلہ ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں جب جانے والا دیکھتا ہے کہ مریض کے پاس علاج معالجے کے معقول وسائل نہیں ہیں تو وہ مریض کے ساتھ مالی تعاون بھی کرتا ہے، تاکہ وہ جلد صحت یاب ہوکر گھر والوں کے لیے بوجھ بنے رہنے کی بجائے، ان کے لیے سہارا بنے اور

---

[1] صحيح البخاري، المرضى، باب وجوب عيادة المريض، حديث :5649

[2] مسند أحمد: 23/3 ، والبخاري في الأدب المفرد:518، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 4109

باب : 7

بیماری نے جن بازوؤں کوشل کر دیا ہے وہ دوبارہ کام کرنے کے قابل ہو جائیں۔

اس میں آخرت کی یاد دہانی کا پہلو یہ ہے کہ بیماری ہی سے عام طور پر جسمانی ضعف کا آغاز ہوتا ہے، جو بڑھتے بڑھتے موت پر منتج ہوتا ہے۔ جب انسان اپنے جیسے دوسرے انسان یا بھائی اور رشتے دار کو اس طرح موت کی دہلیز کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کی چشم عبرت کے سامنے اپنی موت بھی آ جاتی ہے اور وہ سوچتا ہے کہ جس طرح یہ مریض بتدریج فنا کی طرف جا رہا ہے، ایک وقت آئے گا کہ میرا سفر زندگی بھی ختم ہو جائے گا اور میں بھی موت کی وادی میں کھو جاؤں گا۔

ان دنیوی فائدوں اور حکمتوں کے علاوہ تیمار داری کی اخروی فضیلت بھی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلمان کسی مسلمان کی تیمارداری صبح کے وقت کرتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے رحمت ومغفرت کی دعائیں کرتے ہیں اور اگر شام کو تیمارداری کرتا ہے تو صبح تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔''[1]

[1] جامع الترمذی، الجنائز، باب ماجاء فی عیادۃ المریض، حدیث:969

حدیث:63

افضل ترین عمل

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الصَّلٰوةُ لِوَقْتِهَا ، وَبِرُّ الْوَالِدَيْنِ»

''سب سے افضل عمل اپنے وقت پر نماز پڑھنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے۔''[1]

نبی ﷺ سے مختلف اوقات میں یہ سوال کیے گئے کہ سب سے افضل یا سب سے زیادہ محبوب عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے ان کے جواب میں کئی عملوں کو افضل یا محبوب ترین عمل بتلایا، جیسے صحیح مسلم کے اسی باب کی پہلی حدیث میں آپ ﷺ نے سب سے افضل عمل ایمان باللہ کو پھر جہاد کو اور پھر حج مبرور کو قرار دیا۔[2] اور زیر تشریح حدیث میں نماز کو اس کے وقت پر پڑھنے کو اور اس کے بعد والدین سے حسن سلوک کو افضل عمل بتلایا۔ یہ یا تو سائل یا حالات کے اعتبار سے آپ ﷺ نے جواب دیا، یا پھر اس کا مطلب ہے مِنْ اَفْضَلِ الْاَعْمَالِ ، یعنی ایسے اعمال، افضل یا محبوب ترین اعمال میں سے ہیں۔

بہر حال نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا، افضل اعمال میں سے ایک افضل عمل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلاوجہ نماز میں تاخیر کرنا یا دو دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا، ناپسندیدہ عمل ہے

---

[1] صحيح مسلم،الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالىٰ أفضل الأعمال،حديث:85

[2] صحيح مسلم الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالىٰ أفضل الأعمال، حديث:83
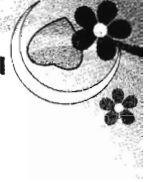
حدیث:25

زمین کا حق

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا»

''جس کے پاس زمین ہو، اُسے چاہیے کہ اس میں کاشت کرے۔''[1]

کاشت کاری (زراعت) اور باغبانی بھی ایسا عمل ہے جس کی ترغیب اسلام نے دی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ملکی معیشت کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس امر پر بڑا زور دیا ہے کہ زمین کو بیکار نہ پڑا رہنے دو بلکہ اگر اللہ نے تمھیں کچھ زمین دی ہے تو اس میں ضرور کاشت کاری کرو۔ اگر تمھیں اس کا تجربہ نہ ہو یا کسی وجہ سے یہ کرنا ناپسند ہو تو زمین کاشت کاری کے لیے دوسرے مسلمان بھائی کو دے دو۔

مزارعت یعنی بٹائی پر زمین دینا بھی اگرچہ جائز ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے دوسرے ذرائع آمدنی عطا کیے ہوئے ہوں تو پھر عطیتاً زمین کسی بے زمین شخص کو دے دینا زیادہ بہتر ہے۔ تاہم زمین کو بالکل بیکار رکھنا، خود کاشت کرنا نہ کسی کو کاشت کے لیے دینا، صحیح نہیں ہے۔ یہ اللہ کے عطا کردہ وسائل کا ضیاع ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔

[1] صحيح مسلم، البيوع، باب كراء الأرض، حديث: 3915

جیسا کہ اکثر کاروباری لوگوں کا شیوہ ہے۔ ہر نماز کو سوائے عشا کی نماز کے اول وقت میں باجماعت پڑھنا چاہیے۔ البتہ عشا کی نماز کو تاخیر سے پڑھنا افضل ہے لیکن اگر اس کی جماعت میں تاخیر کرنا ممکن نہ ہو، تو اسے بھی اول وقت ہی جماعت کے ساتھ پڑھا جائے، محض تاخیر کے شوق میں جماعت کی فضیلت چھوڑ دینا نامناسب ہے۔

والدین کے ساتھ نیکی (بِر) کرنے کا مطلب، ان سے حسن سلوک کرنا ہے۔ اس میں ان کی خدمت، اطاعت، ادب و احترام سب کچھ آ جاتا ہے کیونکہ حسن سلوک میں یہ ساری چیزیں شامل ہیں۔ ان کی خدمت میں یا ان کی اطاعت و فرماں برداری میں یا ان کے ادب و احترام میں کوتاہی حسن سلوک کے منافی ہے۔ بہر حال والدین کے ساتھ حسن سلوک بھی افضل یا محبوب ترین اعمال میں سے ہے۔

حدیث: 26

راستے کا حق

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ»

”راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔“[1]

راستوں اور گزر گاہوں میں بیٹھنے سے مسلمان خواتین کو خاص طور پر تکلیف ہوتی ہے کیونکہ بوقت ضرورت انھیں گھر سے نکلنے کی حاجت پیش آتی رہتی ہے اور شریعت نے بھی اگرچہ عورتوں کی بابت یہ حکم دیا ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾

”تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔“[2]

تاہم انھیں بوقتِ ضرورت گھر سے باہر نکلنے سے منع بھی نہیں کیا۔ اسی طرح اگرچہ انھیں یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ باپردہ ہو کر سادہ لباس میں باہر نکلیں، لیکن پھر بھی عورت کا وجود اور سراپا خواہ کتنا ہی باپردہ اور سادہ ہو، مرد کے لیے اپنے اندر جنسی کشش کا پہلو ضرور رکھتا ہے، اس لیے جب مرد گزر گاہوں اور عام راستوں پر بیٹھے ہوں تو ظاہر بات ہے کہ عورتوں کے لیے ادھر سے گزرنے میں مشکلات ہوں گی۔ اسی طرح وہ مردوں کے لیے بھی ایک آزمائش اور

---

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب قول الله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا ......﴾، حديث:6229

[2] الأحزاب 33:33

حدیث: 64

نیک بخت لوگ کون؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ، الْغَنِيَّ، الْخَفِيَّ»

''اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والا، دل کا بے نیاز اور چھپ کر عبادت کرنے والا ہو۔''[1]

تَقِی، سے مراد اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا جیسا کہ پہلے وضاحت کی گئی ہے۔

غَنِی، سے مراد دل کا غنی ہے، یعنی اس کا دل دنیا کے مال و دولت سے بے نیاز ہو جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسری حدیث میں غنائے نفس کی مدح فرمائی ہے:

«لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ»

''مال داری کثرت سامان کا نام نہیں ہے بلکہ اصل مالداری، نفس کی بے نیازی ہے۔''[2]

(خَفِی) سے مراد وہ شخص ہے جو شہرت وریا اور نام و نمود سے گریزاں، گوشۂ خمول (علیحدگی) میں رہ کر اللہ کی عبادت و طاعت کرنے والا ہو۔

---

[1] صحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب: الدنيا سجن للمؤمن و جنة للكافر، حديث:2965

[2] صحیح البخاری، الرقاق، باب: الغنى غنى النفس، حديث:6446، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل القناعة والحث عليها، حديث :1051

خطرے کا باعث بنیں گی۔

اسی لیے نبی ﷺ نے مسلمان مردوں کو حکم دیا کہ وہ راستوں میں بیٹھنے سے گریز کریں۔ لیکن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں گھر بہت تنگ ہوتے تھے، اس لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ ہمارا تو اس کے بغیر چارہ نہیں۔ ہم باہر بیٹھ کر ہی باہم گفتگو کرتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا، اگر باہر مجلس آرائی کے بغیر تمھیں چارہ نہیں تو پھر تم راستے کا حق بھی ادا کرو۔ صحابہ نے پوچھا، اللہ کے رسول! راستے کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

''نگاہوں کو پست رکھنا، ایذا دہی سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے لوگوں کو روکنا۔''[1]

بعض دوسری روایات میں ان کے علاوہ بعض اور حقوق بھی بیان ہوئے ہیں۔ جیسے لوگوں سے اچھی گفتگو کرنا، مسافر کی رہنمائی کرنا، چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینا جبکہ وہ الحمدلله کہے، مظلوم کی مدد کرنا، گم گشتہ راہ کو راستہ بتلانا، بوجھ والوں کا بوجھ اٹھا کر انھیں منزل مقصود تک پہنچا دینا اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنا۔[2]

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ يأيها الذين آمنوا...... ﴾ حديث:6229

[2] فتح الباري، باب مذكور

جس شخص میں مذکورہ خوبیاں ہوں گی، وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب یعنی پسندیدہ شخص ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جانا یقیناً بڑی کامیابی اور نہایت سعادت مندی کی بات ہے۔ ہر انسان کو یہ خوبیاں اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ اس کا محبّ اور وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جائے۔ جَعَلَنَا اللّٰہُ مِنہُم

حدیث:27

والدین کی رضا مندی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدَيْنِ وَسُخْطُهُ فِي سُخْطِهِمَا»

''رب کی رضا مندی والدین کی رضا مندی میں ہے اور ان کی ناراضی میں رب کی ناراضی ہے۔''[1]

والدین کی خدمت و اطاعت اور ان سے حسن سلوک کی اسلام میں اتنی اہمیت اور تاکید ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ اپنی عبادت کا حکم دینے کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ احسان کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ والدین ہی انسان کے وجود پذیر ہونے کا ظاہری سبب ہیں۔ علاوہ ازیں جب وہ دنیائے رنگ و بو میں قدم رکھتا ہے تو نہ بول سکتا ہے اور نہ کسی کی بات سمجھ سکتا ہے حتی کہ کچھ کھا بھی نہیں سکتا۔ اس وقت ماں ہی اسے چھاتی سے لگاتی اور اپنے دودھ سے اسے سیراب کرتی ہے اور باپ ہی کا سایۂ شفقت اس کی پناہ گاہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں مل کر اس کی پرورش کرتے ہیں، اس کے کہے بغیر اس کی خوراک کا، اس کے بتلائے بغیر اس کے علاج کا اور اس کی خواہش کے بغیر اس کی صفائی اور لباس اور دیگر ضروریات کا انتظام کرتے ہیں۔ بڑے ہونے اور شعور کی آنکھیں کھولنے کے بعد اب اس انسان کا فرض ہے کہ وہ والدین کے اس احسان کا جواب احسان کے ساتھ

[1] شعب الإيمان للبيهقي، حديث: 7830،7829 وصححه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب، حديث: 2503، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 3507

حدیث:65

نماز، جنت کی کنجی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ»

''جنت کی کنجی نماز ہے۔''[1]

یعنی جنت میں وہی شخص جائے گا جو نماز کا پابند رہا ہوگا، اس لیے کہ جنت کے دروازے بند ہیں، اور وہ اطاعت ہی سے کھلیں گے اور نماز تمام طاعاتِ الٰہی میں سرفہرست اور سب سے اہم ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مطلوب کے لیے ایک چابی رکھی ہے، طالب کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس مطلوب کی بھی خواہش رکھتا ہے، اس کے لیے اس کی چابی استعمال کرے، اس کے بغیر اس کے مطلوب کا دروازہ بند رہے گا، مثلاً: نماز کی چابی، پاکیزگی ہے۔ حج کی چابی، احرام ہے۔ صلۂ رحمی وحسن سلوک کی چابی، صدقہ ہے۔ جنت کی چابی، توحید ہے۔ علم کی چابی، حسن توجہ اور سوال ہے۔ کامیابی کی چابی، صبر ہے۔ مزید نعمتوں کی چابی، شکر ہے۔ ولایت ومحبت کی چابی، ذکر الٰہی ہے۔ فلاح کی چابی، تقوی ہے۔ توفیق کی چابی، رغبت ورہبت ہے۔ اجابت کی چابی، دعا ہے۔ آخرت کی رغبت کی چابی، زہد فی الدنیا ہے۔ ایمان کی چابی، اللہ کی کاریگری میں غور وفکر کرنا ہے۔ اللہ کے قرب کی چابی، دل کو اللہ کے سپرد کر دینا اور دشمنی ودوستی میں صرف اللہ کی رضا سامنے رکھنا ہے۔ دلوں کی زندگی کی

[1] سنن الترمذی، الطھارۃ، باب ماجاء أن مفتاح الصلاۃ الطھور، حدیث:4، والحدیث ضعیف لضعف سلیمان بن قرم وأبی یحیی القتات وضعفه الألبانی وغیرہ۔

دے۔اور وہ احسان یہی ہے کہ ان کا ادب و احترام،ان کی اطاعت وفرماں برداری اور ان کی خدمت و ناز برداری کرے۔ رب کی عبادت و اطاعت کے ساتھ،والدین کے ساتھ یہ حسن سلوک رب کی رضا مندی کا ذریعہ ہے۔لیکن اگر اس نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا یہ معاملہ نہیں کیا اور والدین کو ناراض کرلیا،تو عبادت وریاضت کے باوجود،رب اس سے ناراض ہوگا اور جس سے رب ناراض ہو، وہ سوچ لے کہ اس کا انجام کیا ہے؟
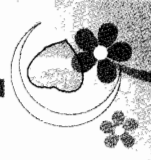
چابی،قرآن کریم میں تدبر اور سحری کے وقت بارگاہِ الٰہی میں گڑگڑانا ہے۔ رحمت الٰہی کے حصول کی چابی،اللہ کی عبادت اور مخلوق کی فلاح و بہبود کے لیے سعی و کاوش ہے۔ رزق کی چابی، استغفار کے ساتھ محنت اور جدوجہد ہے۔عزت کی چابی،طاعتِ الٰہی ہے۔آخرت کے لیے تیاری کی چابی،امیدوں کی کوتاہی ہے۔ ہر بھلائی کی چابی،آخرت میں رغبت ہے۔اور ہر شر کی چابی،دنیا کی محبت اور لمبی امیدیں ہیں۔(فیض القدیر)

حدیث:28

ملعون شخص

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَّعَنَ وَالِدَيْهِ»

''اللہ اس پر لعنت کرے جو اپنے ماں باپ پر لعنت کرے۔''[1]

والدین پر لعنت کرنے کا مطلب، انھیں سب وشتم اور زجر و توبیخ کرنا ہے۔ چاہے والدین کی کوئی بات ناگوار گزرے، ان کے سامنے ''ہوں'' کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے، چہ جائیکہ انھیں برا بھلا کہا جائے۔ شریعت اسلامیہ نے ان کا غایت درجہ احترام کرنے کا حکم دیا ہے، ان کی خدمت کرنے کی تاکید کی ہے حتی کہ ایسا کوئی کام نہ کرنے کی تلقین بھی کی ہے جس کی وجہ سے کوئی اس کے ماں باپ کو گالی دے۔ جیسے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جب یہ بیان فرمایا:

«مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ»

''آدمی کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہوں سے ہے۔''

تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

«هَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟»

کیا آدمی اپنے ماں باپ کو گالی بھی دیتا ہے؟

---

[1] صحیح مسلم، الأضاحی، باب تحریم الذبح لغیر الله......، حدیث: 1978، ومسند أحمد: 108/1

حدیث: 66

نماز، روشنی کا منبع

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلصَّلٰوةُ نُورٌ»

''نماز روشنی ہے۔''[1]

نماز، جو ایک مسلمان روزانہ پانچ مرتبہ پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ سے تعلق ورابطہ استوار کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

﴿وَٱسْتَعِينُواْ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ﴾

''صبر اور نماز کے ذریعے سے اللہ کی مدد حاصل کرو۔''[2]

اور نبیٔ کریم ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ جب بھی آپ ﷺ کو کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا، تو آپ ﷺ (نفلی) نماز کا اہتمام فرماتے:

«كَانَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى»

آپ ﷺ نماز پڑھ کر درپیش معاملے اور مشکل میں اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل فرماتے۔[3]

---

① صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، حديث :223

② البقرة 2:45

③ مسند أحمد:5/388،وسنن أبي داود، حديث:1319،وحسنه الألباني في صحيح الجامع الصغير ، حديث :4703

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' (اور اس کی صورت یہ ہے):

«يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ»

''انسان کسی آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے، اور اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ ایک شخص کو نہ صرف خود اپنے والدین کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے بلکہ دوسروں کے ماں باپ کو بھی برے لفظوں سے یاد نہیں کرنا چاہیے تاکہ وہ اس کے جواب میں اس کے ماں باپ کو سب و شتم نہ کریں۔

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 90
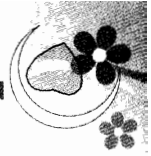
اس تائید الٰہی کے حصول کے علاوہ نماز سے انسان کو ایسی روشنی بھی میسر آتی ہے جو شاہراہ زندگی میں اس کی رہنمائی کرتی اور گناہوں کی تاریکیوں سے اسے نکالتی ہے، چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ﴾

''بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔''[1]

آج ایک مسلمان نماز بھی پڑھتا ہے اور بے حیائی کے کاموں اور برائی کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کی بات سچی نہیں ہے؟ یقیناً سچی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں لیکن ہمیں نماز سے روشنی، صحیح رہنمائی اس لیے نہیں ملتی کہ ہم نماز سنتِ نبوی کے مطابق ادا نہیں کرتے، محض کوے کی طرح ٹھونگیں مار کر سمجھ لیتے ہیں کہ نماز پڑھ لی۔ حالانکہ نبی ﷺ نہایت خشوع اور سکون سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ قیام، رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسۂ استراحت ہر رکن کو صحیح طریقے سے ادا فرماتے تھے۔

اس لیے ہمیں بھی نماز نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق خشوع وخضوع اور پورے سکون و اطمینان سے ادا کرنی چاہیے تاکہ نماز کے پورے فوائد ہمیں حاصل ہوں اور دنیا کی زندگی میں بھی اس سے صحیح رہنمائی ملے اور آخرت میں بھی وہ روشنی نصیب ہو جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے کیا ہے اور اس روشنی میں ایک مسلمان اور مومن آخرت کی مشکل گزار گھاٹیوں کو آسانی سے طے کرلے گا۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ

[1] العنکبوت 45:29

حدیث:29

باہم ناراضی کی حد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ»

''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھے۔''[1]

یعنی آپس میں تلخی یا کشیدگی ہو جائے تو اسے طول نہ دیا جائے بلکہ تین دن کے بعد تعلق بحال کر لیا جائے۔ یہ تعلیم فطرت انسانی کے مطابق بھی ہے اور پُر حکمت بھی! اشتعال اور غصہ بھی انسانی فطرت کا ایک حصہ ہے، اس لیے اسے بھی اعتدال میں رکھنے کی تاکید ہے جیسے دیگر فطری خواہشات و جذبات کو اعتدال میں یعنی دائرۂ شریعت کے اندر رکھنے کا حکم ہے۔ اگر فطری جذبات کو شریعت کا پابند نہیں بنایا جائے گا تو اس سے معاشرے میں فساد برپا ہو گا جیسے اہلِ مغرب نے جنسی خواہش کو، جو ایک فطری چیز ہے، بے لگام چھوڑ دیا ہے تو بے حیائی بھی ان کی تہذیب کا ایک حصہ اور انسان کا بنیادی حق قرار پا گیا ہے۔ اسی طرح انسان غصے میں آ کر اپنے کسی مسلمان بھائی سے زیادہ دن تک بات چیت اور میل جول بند رکھے گا تو اس سے روز بروز بغض و عداوت میں اضافہ ہو گا اور پھر تعلقات کی بحالی مشکل تر ہو گی، اس لیے شریعت نے تین دن کی اجازت بھی دے دی تاکہ انسان کے فطری جذبے کی تسکین بھی ہو

[1] صحيح البخاري، الأدب ، باب ما ينهى عن التحاسد ...... ، حديث :6065

حدیث:67

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے استعمال میں اعتدال کی ضرورت واہمیت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْخَيْرَ لَا يَأْتِي إِلَّا بِالْخَيْرِ»

''بھلائی، بھلائی ہی لاتی ہے۔''[1]

نبی ﷺ نے یہ بات اس موقعے پر ارشاد فرمائی تھی جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے تم سے جن باتوں کا اندیشہ ہے ان میں سب سے زیادہ اندیشہ اس بات سے ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر دنیا کی زیب و زینت کا دروازہ کھول دے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا، یہ دنیا کی زیب و زینت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''زمین کی برکتیں۔'' اس پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا: هَلْ يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرّ (کیا بھلائی، شر لائے گی؟)

آپ ﷺ نے فرمایا: ''بھلائی تو بھلائی ہی لاتی ہے'' تین مرتبہ یہ کلمہ دہرایا۔ پھر آپ ﷺ نے مثال سے اس بات کو واضح فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کا ساز و سامان ہے تو بھلائی لیکن اس کے لیے جو دنیا کی اندھی محبت میں گرفتار نہ ہو اور شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے اعتدال سے دنیا کمائے اور اعتدال ہی سے خرچ کرے۔ لیکن جو دنیا کی محبت میں گرفتار ہو کر اعتدال کا راستہ اور شریعت کی پابندی چھوڑ دے گا تو یہ دنیا اس کے لیے بھلائی ہی نہیں

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب التحذير من الاغترار بزينة الدنيا و ما يبسط منها ، حديث: 1052

جائے اور اسے تین دن تک محدود کر دیا۔ اس میں یہی حکمت ہے کہ تعلق بحال ہونے میں زیادہ مشکلات پیدا نہ ہوں اور دشمنی کے جذبات انسان کے نہاں خانہ قلب و دماغ میں مستقل طور پر پرورش نہ پاتے رہیں۔ شریعت نے اس کی اتنی تاکید فرمائی ہے کہ حدیث میں آتا ہے:

«تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ فِي كُلِّ يَوْمِ خَمِيسٍ وَّاثْنَيْنِ، فَيَغْفِرُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ فِي ذٰلِكَ الْيَوْمِ لِكُلِّ امْرِیءٍ لَّا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا إِلَّا امْرَءًا كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ، فَيُقَالُ: ارْكُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا، ارْكُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا»

''ہر سوموار اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال (بارگاہِ الٰہی میں) پیش کیے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس دن ہر (مومن) بندے کے گناہ (جس نے شرک نہ کیا ہو) معاف فرما دیتا ہے۔ لیکن جن دو مسلمان بھائیوں نے آپس میں تعلق توڑ رکھا ہو، ان کی بابت فرماتا ہے، ان (کی مغفرت) کا معاملہ اس وقت تک مؤخر رکھو جب تک یہ آپس میں صلح نہ کرلیں۔''[1]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ دونوں مسلمان اسی حالت میں فوت ہوں گے، تو ان کی مغفرت کا معاملہ مشکوک ہوگا اور پہلے ان کو جہنم میں جانا پڑے گا۔ جیسے سنن ابی داود کے الفاظ میں صراحت ہے:

«فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ»

''جس نے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھا اور اسی حال میں مر گیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔''[2]

---

① صحيح مسلم، البر والصلة، باب النهى عن الشحناء، حديث: 2565

② سنن أبي داود، الأدب، باب في هجرة الرجل أخاه، حديث: 4914، قال الألباني: إسناده صحيح
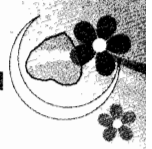
رہے گی بلکہ یہ اس کے حق میں شر بن جائے گی۔

اس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ اللہ کی ہر نعمت، یقیناً بھلائی ہے اور اس سے مزید بھلائیاں حاصل کی جا سکتی ہیں لیکن اگر اس کے استعمال میں اعتدال اور ہدایاتِ الٰہی کو ملحوظ نہیں رکھا جائے گا، تو وہ نعمت زحمت بن جائے گی اور اللہ کے غضب و عتاب کا باعث ہوگی۔

حدیث:30

قطع تعلقی کی حد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ»

''کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھے۔''[1]

[ھجر] کا مطلب ہے، بول چال اور میل جول بند کر دینا، سامنے آئے تو منہ پھیر کر یا کترا کر نکل جانا۔ جب انسان کا کسی دوست، رشتے دار یا پڑوسی وغیرہ سے جھگڑا ہو جاتا ہے تو وہ غصے اور اشتعال میں آکر اس سے بولنا اور ملنا پسند نہیں کرتا۔ شریعت نے بھی انسان کے ان فطری جذبات کی رعایت ملحوظ رکھی ہے اور تین دن تک غصہ دل میں رکھنے کی اجازت دی ہے اور تاکید کی ہے کہ چوتھے دن صلح کر لو اور بات چیت اور میل جول کا آغاز کر دو۔ اور جو کلام کا آغاز کرنے کے لیے سلام میں پہل کرے گا، وہ ان میں بہتر ہوگا۔ لیکن تین دن سے زیادہ بات چیت بند اور تعلق منقطع رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے بغض و عناد میں اضافہ ہوگا اور دشمنی میں شدت و وسعت آجائے گی جو دونوں متعلقہ شخصوں کے لیے نقصان دہ ہوگی، اس لیے تین دن کے بعد تو ہر صورت میں صلح و مفاہمت کا راستہ اختیار کر لینا چاہیے اور اس میں جھوٹے وقار اور انانیت کو آڑے نہیں آنے دینا چاہیے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ ''صلح ہی بہتر ہے۔'' (النساء: 128)

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب تحریم الھجر فوق ثلاث بلا عذر شرعی، حدیث :2560

حدیث:68

مخلوق کی فرمانبرداری کی حد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»

''اس بات میں مخلوق کی فرماں برداری نہیں کرنی جس میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو۔''[1]

اس میں مخلوق کی اطاعت کا دائرہ واضح کر دیا گیا، وہ مخلوق چاہے کوئی بھی ہو، باپ ہو یا استاد، ماں ہو یا بیوی، پیر و مرشد ہو یا سیاسی لیڈر حتی کہ خلیفۂ وقت بھی ہو۔ ان کی اطاعت اس وقت تک ضروری ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم نہ آئے۔ اگر ان میں سے کوئی ایسی بات کا حکم دے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو تو ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس کو ماننے سے انکار کر دے کیونکہ مخلوق کی اطاعت صرف معروف (نیکی کے کاموں) میں ہے، جیسے دوسری حدیث میں نبیٔ مکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا طَاعَةَ لِبَشَرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

''اللہ کی نافرمانی میں کسی انسان کی اطاعت (جائز ہی) نہیں، صرف معروف میں (لوگوں کی) اطاعت ہے۔''[2]

---

[1] مسند أحمد: 131/1، و صحيح الجامع الصغير، حديث: 7520

[2] صحيح البخاري، أخبار الآحاد، باب ماجاء في إجازة خبر......، حديث: 257، و صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب ......، حديث: 1840 و مسند الطيالسي، حديث: 111، واللفظ له

حدیث: 31

وعدے کی پاسداری

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا دِينَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهُ»

''اس شخص کا دین نہیں جس کے اندر عہد کی پاسداری نہیں۔''[1]

یہ ٹکڑا بھی گزشتہ حدیث ہی کا ایک حصہ ہے۔ اس میں عہد کی پاسداری کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ عہد کی کئی قسمیں ہیں:

- ایک عہد وہ ہے جو انسان ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں جسے قول وقرار کہا جاتا ہے۔ ان کا ایفا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ عہد کو پورا نہ کرنا منافق کی علامات میں سے ہے۔
- دوسرا عہد وہ ہے جو انسانوں نے اللہ کے ساتھ کیا ہوا ہے اور وہ ہے اس کی ربوبیت و الوہیت کا عہد، کہ یا اللہ! رب بھی تو ہی ہے اور الٰہ (معبود) بھی تو ہے۔ تیرے سوا کوئی رب ہے نہ تیرے سوا کوئی معبود اور حاجت روا۔ یہ عَهْدِ اَلَسْت کہلاتا ہے۔ اس عہد کی رو سے ہر انسان اس بات کا پابند ہے کہ وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرے اور اسی کی اطاعت وفرماں برداری اختیار کرے۔ نہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرے نہ اس کی اطاعت میں۔

اللہ تعالیٰ نے اسی کی یاد دہانی کے لیے انبیاء ورسل کا سلسلہ قائم فرمایا جو نبی ﷺ تک جاری رہا۔ نبی ﷺ پر نبوت ورسالت کا خاتمہ فرما دیا گیا۔ آپ کے بعد اللہ کی توحید و

[1] مسند أحمد: 135/1، و صحیح الجامع الصغیر، حدیث: 7179
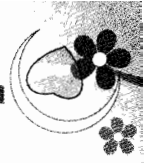
مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی شامل ہیں لیکن پیغمبر کی اطاعت کو تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے، اس لیے پیغمبر کی اطاعت تو اسی طرح ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے، تاہم اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے علاوہ ہر شخص کی بات کو دیکھا جائے گا کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی کا پہلو تو نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوگا تو وہاں اس پر عمل کرنا گناہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے ساتھ یہ بھی فرما دیا:

﴿وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰٓ أَن تُشْرِكَ بِى مَا لَيْسَ لَكَ بِهِۦ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا﴾

''اگر ماں باپ تجھ پر اس بات کے لیے دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرا جس کا تجھے علم ہی نہیں، تو تو ان کا کہنا نہ مان۔''[1]

یہی نکتہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے جہاں اولوالامر کی اطاعت کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ﴾

''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تم میں سے اولی الامر ہیں۔''[2]

یہاں اللہ کے ساتھ اور الرسول کے ساتھ ﴿اَطِیْعُوا﴾ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ان دونوں کی اطاعتیں مستقل بالذات اور واجب ہیں، جب کہ اولی الامر (حکمرانوں) کی اطاعت مستقل اور علی الاطلاق نہیں بلکہ مشروط ہے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ اس لیے اس کے ساتھ ﴿اَطِیْعُوا﴾ کا لفظ نہیں لایا گیا بلکہ پہلے ﴿اَطِیْعُوا﴾ ہی پر اس کا عطف

[1] لقمان15:31

[2] النساء59:4

اطاعت کی طرف بلانے والے علماء اور داعیان کی ایک بہت بڑی جماعت ہے جو پوری دنیا میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے اور قیامت تک دیتی رہے گی۔

- عہد کی ایک تیسری قسم وہ ہے جو مسلمان دوسری قوموں سے کریں جنھیں بین الاقوامی معاہدے کہا جاتا ہے۔ ان معاہدوں کی پاسداری بھی ضروری ہے۔ یہ سمجھنا کہ کافر تو اللہ کے نافرمان ہیں، ان سے کیے ہوئے معاہدے کیوں پورے کریں، صحیح نہیں۔ نبی ﷺ نے جن کافروں سے معاہدے کیے وہ ان پر قائم رہے تو مسلمانوں کو بھی ان سے کیے گئے معاہدے کی پاسداری کی تاکید کی گئی جس کی تفصیل سورۂ براءۃ کے شروع میں ہے۔
- معاہدے کی ایک چوتھی قسم وہ ہے جسے فطری معاہدہ کہا جاسکتا ہے جیسے انسان پابند ہے کہ والدین اور رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ بیوی بچے ہیں تو ان کے حقوق ادا کرے۔ دوست احباب اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔ یہ فطری فرائض ہیں جن کی ادائیگی ضروری اور ان میں کوتاہی جرم ہے۔ ان فرائض کو فطری عہد سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کیونکہ ان کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

ہے۔ بعض لوگ اولی الامر سے علماء وفقہاء مراد لیتے ہیں، تب مطلب یہ ہوگا کہ ان کی اطاعت بھی مشروط ہو گی، یعنی ان کی اطاعت اس لیے کرنی ہو گی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام بیان کرتے ہیں اور ان کے دین کی طرف ارشاد و ہدایت اور رہنمائی کا کام کرتے ہیں، اس لیے ان کی اطاعت بھی اس وقت تک کی جائے گی جب تک وہ عوام کو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بات بتلائیں گے۔ لیکن اگر وہ اس سے انحراف کریں گے تو عوام کے لیے ان کی اطاعت بھی ضروری نہیں بلکہ ان کے انحراف کی صورت میں جانتے بوجھتے ان کی اطاعت کرنا سخت معصیت اور گناہ ہوگا۔

حدیث:32

دہشت زدہ کرنے کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا»

''کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو خوف زدہ کرے۔''[1]

پرانے زمانے میں تلوار سونت کر یا نیزہ زنی کے ذریعے سے خوف و دہشت میں مبتلا کیا جاتا تھا، اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا»

''جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا، وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں۔''[2]

لیکن آج کل اس کے علاوہ اور بھی کئی صورتیں ہیں جن سے خوف و دہشت میں مبتلا کیا جاتا اور کیا جا سکتا ہے اور بدقسمتی سے یہ سب صورتیں عام ہیں اور لوگ بلا تأمل انھیں اختیار کرتے بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ مثلاً:

ہوائی فائرنگ ہے، اس سے بعض دفعہ خوف و دہشت پھیلانا مقصود ہوتا ہے اور بعض دفعہ گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے محظوظ ہونا جیسے شادی بیاہ کے موقعے پر لوگ اس حرکت شنیعہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس سے حاضرین تو شاید کچھ لطف اندوز ہوتے ہوں لیکن دور دور تک

---

① سنن أبي داود، الأدب، باب من يأخذ الشيء من مزاح، حديث:5004، ومسند أحمد: 362/5، وصحيح الجامع الصغير، حديث:7658

② صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: من حمل علينا السلاح فليس منا، حديث: 101,100-98

حدیث: 69

وعظ ونصیحت میں حکیمانہ اسلوب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا»

''آسانی کرو، سختی نہ کرو، لوگوں کو خوش خبری دو، انھیں نفرت نہ دلاؤ۔''[1]

یہ بات معاشرے کے ان افراد کے لیے بطور خاص توجہ اور عمل کے قابل ہے جو تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیتے ہیں، جیسے علمائے کرام ہیں جو لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں، اساتذہ ہیں جو بچوں کو تعلیم دیتے ہیں، امراء و حکام ہیں جن کے فرائض میں بھی عوام کی اصلاح و تربیت شامل ہے، ماں باپ ہیں جن کے ذمے اولاد کی تربیت ہے۔ یہ سب حضرات وعظ و ارشاد اور تلقین و نصیحت کا کام اس طریقے سے انجام دیں کہ لوگوں کے اندر دین کی رغبت پیدا ہو، اس سے نفرت نہ ہو۔ وہ قریب آئیں، دور نہ ہوں۔ دین پر عمل کرنا انھیں آسان نظر آئے، مشکل معلوم نہ ہو۔ احکامِ الٰہی بجالانے میں وہ خوشی محسوس کریں، نہ کہ گرانی۔

دین کو آسان بنا کر پیش کرنے سے، لوگوں کے لیے اسے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہوگا، ان کے اندر عبادت کا شوق پیدا ہوگا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کی وسعت اور اس کی عطا و مغفرت کی خوشخبری کا بیان اس طرح کیا جائے کہ اس

[1] صحيح البخاري، العلم، باب ما كان النبي يتخولهم بالموعظة ...... ، حديث: 69

کے لوگ ان آوازوں سے سہم جاتے ہیں اور بعض دفعہ لوگ اس کی زد میں بھی آ جاتے اور مر جاتے ہیں۔ یوں گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے لطف اندوز ہونے کا یہ فضول شوق جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح آتش بازی اور پٹاخوں کا استعمال ہے۔ یہ رسم بد بھی شادی بیاہ کا ایک لازمی سا حصہ بن گئی ہے۔ یہ فضول خرچی بھی ہے اور بعض دفعہ اس سے خوفناک تباہی بھی پھیل جاتی ہے جس کی آئے دن مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ علاوہ ازیں پٹاخوں کی آوازوں سے پورے محلے کے لوگوں کی نیندیں خراب ہوتی ہیں اور لوگ خوف و دہشت میں بھی مبتلا ہوتے ہیں۔

خوف و دہشت پھیلانے کی ایک نہایت قبیح رسم اپریل فول ہے جو انگریزوں کی نقالی میں یکم اپریل کو منائی جاتی ہے۔ اس میں کچھ من چلے لوگ جھوٹی افواہیں اڑاتے ہیں۔ مثلاً فون پر کسی کو کہہ دیا جاتا ہے کہ آپ کا فلاں لڑکا، یا بھائی سکول یا دفتر گیا تھا، وہ حادثے کا شکار ہو گیا ہے، اور ہسپتال میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ گھر والے اچانک یہ خبر سن کر حواس باختہ ہو جاتے ہیں اور بعض کمزور دل والے تو ایسی ہولناک خبر سن کر ویسے ہی موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں لیکن بعد کو پتہ چلتا ہے کہ یہ تو انگریز کے کسی چیلے اور بد باطن نے ''اپریل فول'' منایا ہے۔ گویا ''ہماری جان گئی اور آپ کی ادا ٹھہری۔'' والی بات ہوئی۔

بہر حال مذکورہ صورتوں میں جہاں متعدد قباحتیں پائی جاتی ہیں، وہاں ان میں ایک قباحت خوف و دہشت پھیلانے والی بھی ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو ان تمام بری حرکتوں اور کاموں سے بچ کر رہنا چاہیے۔

کے حصول کی رغبت پیدا ہو۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ہولناکیوں کا بیان بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی بے پایانی کے ساتھ ساتھ بیان کیا جائے تا کہ انسان محض خوف کے بیان سے مایوسی کا شکار ہی نہ ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی بھی انسان کو بے عمل اور بدعمل بنا دیتی ہے۔ انسان کہتا ہے کہ جب مجھے جہنم کا ایندھن ہی بننا ہے تو پھر میں جو چاہوں کروں، کسی کی کوئی پابندی کیوں قبول کروں؟ اسی طرح محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت واسعہ کے بیان سے بعض لوگ گناہوں پر دلیر ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، ہم جو چاہیں کر لیں، بالآخر عفو و رحمت ہی ہمارے حصے میں آئے گی۔ یہ دونوں نقطۂ نظر غلط ہیں۔ اسی لیے قرآن کریم میں دونوں پہلو ساتھ ساتھ بیان کیے گئے ہیں:

﴿نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ ٱلْعَذَابُ ٱلْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾﴾

''میرے بندوں کو خبر دے دو کہ میں بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہوں اور میرا عذاب (بھی) بڑا دردناک ہے۔''[1]

[1] الحجر 15:49-50

حدیث: 33

اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ جگہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَحَبُّ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلَادِ إِلَى اللهِ أَسْوَاقُهَا»

''اللہ کی سب سے زیادہ پسندیدہ جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ علاقے بازار اور منڈیاں ہیں۔''[1]

اس کی وجہ ظاہر ہے، مسجدیں صرف اللہ کی عبادت کے لیے ہیں۔ وہاں انسان نماز پڑھتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، دعا و مناجات میں مصروف رہتا ہے، ذکر اذکار کرتا اور اسی قسم کے دیگر نیکی کے کام کرتا ہے، اور یہ سارے کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کو وہ جگہیں کیوں پسند نہ ہوں جہاں مذکورہ اعمالِ خیر بجالائے جاتے ہیں۔

اس کے برعکس بازار اور منڈیاں ایسی جگہیں ہیں جہاں دنیا کے کاروبار ہوتے ہیں جن میں اکثر لوگ شرعی احکام کی اور امانت و دیانت کی پروانہیں کرتے۔ چنانچہ وہاں جھوٹ اور دجل وفریب کا چلن عام ہوتا ہے، لوگ لوٹ کھسوٹ اور ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ پھر وہ جگہیں جہاں سرعام نہایت دھڑلے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب ہوتا ہو، اللہ تعالیٰ کو کیوں کر پسند ہو سکتی ہیں؟

---

[1] صحیح مسلم، المساجد، باب فضل الجلوس فی مصلاہ بعد الصبح ...... ، حدیث :671

خودداری کا تقاضا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى»

''اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے۔''[1]

اوپر والے ہاتھ سے مراد، دینے اور خرچ کرنے والا ہاتھ ہے اور نچلے ہاتھ سے مراد، لینے اور دوسروں سے مانگنے والا ہاتھ ہے۔

اس میں نہایت بلیغ انداز سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ خرچ کرنے سے مراد مطلقاً خرچ کرنا نہیں ہے بلکہ وہ خرچ ہے جو پسندیدہ ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا جیسے جہاد کے لیے، دین کی نشر و اشاعت کے لیے، غرباء و مساکین کی ضروریات پر، غریب و مستحق رشتے داروں پر اور اس طرح کے دیگر امور خیر پر۔

اسی طرح اس میں لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے کیونکہ اس میں ذلت و رسوائی ہے جو ایک مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ خودداری اور عزت نفس کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی چادر کے مطابق پاؤں پھیلائے اور اپنا معیار زندگی اپنی آمدنی کے مطابق بنائے۔ اس سے بڑھ کر نہیں کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر ہر وقت لوگوں سے مانگتا رہے گا، پھر قرض واپس نہیں کر سکے گا تو مزید رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنى، حديث: 1429

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنا زیادہ وقت مسجدوں میں گزارے اور وہاں اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کرے تاکہ وہ بھی اللہ کا محبوب بندہ بن جائے۔ایک حدیث میں ہے کہ سات آدمیوں کو روز قیامت اللہ تعالیٰ اپنا یا اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا۔ان میں ایک شخص وہ ہوگا جس کو مسجدوں سے محبت ہوگی اور اس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہوگا، یعنی ایک نماز پڑھ کر جائے تو دوسری نماز پڑھنے کی خاطر دوبارہ مسجد میں جانے کے لیے بے قرار ہو۔[1]

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا ٱللَّهَ﴾

''اللہ کی مسجدوں کو تو وہی تعمیر کرتے ہیں جو اللہ پر، یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔''[2]

تعمیر کا مطلب مسجدوں کا قیام وتعمیر بھی ہے اور ان میں نمازوں اور درس وتدریس کا اہتمام کر کے ان کو آباد کرنا بھی۔گویا مسجدیں بنانا، ان کا انتظام وانصرام کرنا بھی اہل ایمان کا کام ہے اور ان میں جا کر نماز پڑھنا پڑھانا بھی اہل ایمان ہی کا حصہ ہے۔اسی لیے ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ»

''جب تم دیکھو کہ ایک شخص پابندی سے مسجد میں آتا ہے تو تم اس کے ایمان کی گواہی دو۔''[3]

① صحیح البخاری، الزکاۃ، باب الصدقۃ بالیمین، حدیث:1423

② التوبۃ 9:18

③ جامع الترمذی، التفسیر، باب ومن سورۃ التوبۃ، حدیث:3093

حدیث 71

تنگ دستوں پر آسانی کرنے کا صلہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ»

''جو کسی تنگ دست پر آسانی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا۔''[1]

تنگ دست سے مراد، ایسا غریب آدمی ہے جس کی آمدنی نہایت قلیل اور بال بچے یا زیر کفالت افراد زیادہ تعداد میں ہوں۔ آمدنی سے اس کے اخراجات پورے نہ ہوتے ہوں۔ ایسے شخص کی آبرومندانہ طریقے سے امداد کرنا، اس کے علاج معالجے اور دیگر ضروریات کا انتظام کرنا، اس کے لیے آسانی مہیا کرنا ہے۔ اس نے اگر مجبور ہو کر قرض لیا ہو، تو جب تک وہ ادا کرنے کے قابل نہ ہو، اسے مہلت دیے جانا، یا قرض ہی معاف کر دینا، یہ سب آسانی مہیا کرنے کی صورتیں ہیں۔ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾﴾

''اگر (قرض لینے والا) تنگ دست ہے تو اسے آسانی تک مہلت دے دو اور اگر تم قرض ہی معاف کر دو تو تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، الذکر، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، و علی الذکر، حدیث: 2699

[2] البقرة 2:280
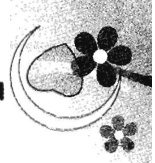
حدیث:34

جماعت کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ»

''جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔''[1]

اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کو اللہ کی تائید و نصرت حاصل ہے، اس لیے خیر و برکت، یمن و سعادت اور فلاح و کامرانی جماعت کے ساتھ وابستگی ہی میں ہے نہ کہ اس سے علیحدگی میں۔

اس جماعت سے مراد کون سی جماعت ہے؟ یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے کیونکہ یہی جماعت عقیدہ و عمل میں منہاج نبوت پر قائم رہی ہے، اس لیے قیامت تک آنے والوں کے لیے مثال اور نمونہ یہی جماعت ہے، اسی کا عقیدہ و مسلک صحیح ہے، اسی کا عمل قابل اتباع ہے اور اسی کی روش اپنانے کے لائق ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿فَإِنْ ءَامَنُوا۟ بِمِثْلِ مَآ ءَامَنتُم بِهِۦ فَقَدِ ٱهْتَدَوا۟﴾

''اگر لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو تو یقیناً وہ راہ یاب ہو گئے۔''[2]

اور نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''بنی اسرائیل بہتر گروہوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، یہ سب کے سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک گروہ

---

[1] جامع الترمذی، الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعة، حدیث: 2167

[2] البقرة2:137

یہ آیت سود کی ممانعت کے سیاق میں آئی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود در سود، اصل رقم میں اضافہ ہوتا چلا جاتا تھا جس سے وہ تھوڑی سی رقم ایک پہاڑ بن جاتی اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی تنگ دست ہو تو سود لینا تو درکنار، اصل مال لینے میں بھی آسانی تک اسے مہلت دے دو۔ اور اگر قرض بالکل ہی معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہے۔

کتنا فرق ہے اسلامی نظام اور اس جاہلی نظام میں جس میں اس وقت پوری دنیا جکڑی ہوئی ہے! ایک سراسر ظلم، سنگ دلی اور خود غرضی پر مبنی نظام، جو غریب کا آخری قطرۂ خون تک نچوڑ لے۔ اور دوسرا ہمدردی، تعاون اور ایک دوسرے کو سہارا دینے والا نظام۔ مسلمان خود ہی اس بابرکت اور سراپا رحمت نظامِ الٰہی کو نہ اپنائیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور اور اللہ تعالیٰ پر کیا الزام۔ کاش مسلمان اپنے دین کی اہمیت کو سمجھیں اور اس پر اپنے نظام زندگی کو استوار کر سکیں۔ (تفسیر احسن البیان)

کے۔ یہ ایک گروہ وہی ہوگا جو اس طریقے پر ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔‘‘[1]

ایک دوسری روایت میں فرمایا:

«أُوصِيكُمْ بِأَصْحَابِي . . .»

’’میں تمھیں اپنے صحابہ (کا طریقہ اختیار کرنے) کی تلقین کرتا ہوں......۔‘‘[2]

ایک اور روایت میں فرمایا:

’’تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا، وہ بہت اختلاف دیکھے گا، پس تم میرے اور خلفائے راشدین مہدیین کے طریقے کو لازم پکڑنا، اسے مضبوطی سے تھامنا اور نئے نئے کام ایجاد کرنے سے اجتناب کرنا، اس لیے کہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘[3]

ایک اور حدیث میں فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ . . . .»

’’جماعت کو لازم پکڑو اور جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے سے بچو......۔‘‘[4]

بہر حال ’’الجماعة ‘‘ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عقیدہ وعمل کے حاملین مراد ہیں، چاہے وہ تعداد میں تھوڑے ہی ہوں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

«إِنَّمَا الْجَمَاعَةُ مَا وَافَقَ الْحَقَّ وَلَوْ كُنْتَ وَحْدَكَ»

’’**الجماعة** .‘‘ وہ گروہ ہے جو حق کے موافق ہو، چاہے تو اکیلا ہی ہو۔‘‘

---

① جامع الترمذی، الإیمان، باب ماجاء فی افتراق هذه الأمة، حديث :2641

② جامع الترمذی، الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعة، حديث :2165

③ جامع الترمذی، العلم، باب ماجاء فی الأخذ بالسنة واجتناب البدعة، حديث:2676

④ جامع الترمذی، الفتن، باب ماجاء فی لزوم الجماعة، حديث:2165

حدیث:72

عوامی بہبود کے کاموں کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمِطِ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ فَإِنَّهُ لَكَ صَدَقَةٌ»

''راستے سے تکلیف دہ چیز دور کر دو، یہ تمھارے لیے صدقہ ہو گا۔''[1]

راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینے کا مطلب ہے،کوئی بڑا پتھر ہے،کانٹے دار درخت ہے،کوئی ایسا چھلکا ہے جس سے انسان پھسل کر گر سکتا ہے وعلی ھذا القیاس اسی طرح کی کوئی اور چیز ہے،ان کو ہٹا دینا اور راستہ صاف کر دینا، یہ بھی صدقہ، یعنی نیکی کا کام ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ انسانی فلاح و بہبود کے کام بھی اگر رضائے الٰہی کی نیت سے کیے جائیں تو وہ بھی اجر وثواب کا باعث ہوں گے جیسے حدیث میں نبیٔ مکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''ایک شخص ایک راستے سے گزرا تو دیکھا کہ درخت کی ایک شاخ آنے جانے والوں کو اڑتی ہے تو اس نے کہا،اللہ کی قسم! میں اسے مسلمانوں کے راستے سے ہٹادوں گا تاکہ اس سے انھیں ایذا نہ پہنچے تو اس شخص کو جنت میں داخل کر دیا گیا۔''[2]

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] رواه ابن سعد: 299/4 ، والبخاري فی الأدب المفرد:269/1، حديث: 228، والسلسلة الصحيحة للألبانی، حديث: 1558

[2] صحيح البخاری، المظالم، باب من أخذ الغصن ومايؤذی الناس......، حديث:2472
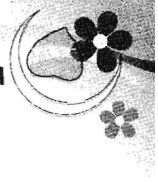
حدیث:35

برائی کے روکنے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ مُّنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْهُ بِیَدِهٖ»

''تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے، اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روک دے۔''[1]

امام مسلم نے یہ روایت کتاب الایمان میں بیان کی ہے اور اس پر باب بھی ان الفاظ میں باندھا ہے: ''اس بات کے بیان میں کہ برائی سے روکنا ایمان سے ہے۔''

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا، ایمان کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ اس فریضے سے غفلت واعراض ایمان میں کمی کا باعث ہے۔ قرآن کریم کے انداز بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے امتِ خیر ہونے کا انحصار بھی اس فریضے کی ادائیگی پر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان......، حديث:49

[2] آل عمران 3:110
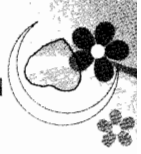
''میں نے ایک آدمی کو دیکھا، وہ جنت میں ایک درخت کی وجہ سے عیش و راحت کی زندگی گزار رہا ہے، اس نے اس درخت کو شاہراہ عام سے کاٹ دیا تھا جو لوگوں کو تکلیف دیتا تھا۔''[1]

ایک شخص نے عرض کیا، اے اللہ کے پیغمبر! مجھے ایسی بات بتلائیے جس سے میں فائدہ اٹھاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیزیں ہٹا دو۔''[2]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام دین انسانیت بھی ہے، یعنی یہ انسانی فلاح و بہبود کے کاموں کو پوری اہمیت دیتا ہے۔ آج کل انسانیت کے نام پر بڑی بڑی تنظیمیں اور ادارے قائم ہیں، جنھیں این جی اوز (نان گورنمنٹ آرگنائزیشنز۔ غیر سرکاری تنظیمیں) کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ سب تنظیمیں بیرونی امداد سے قائم ہیں اور ان کا اصل مقصد اس ذریعے سے دنیوی منفعت کا حصول ہے اور بیرونی ملک بھی اس امداد کے پردے میں اپنے استعماری عزائم اور سازشوں کو آگے بڑھاتے ہیں۔ گویا دونوں کے مقاصد دنیوی مفادات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا دونوں کے پیش نظر نہیں ہے، اس لیے اخروی اجر و ثواب سے بھی وہ محروم ہوں گے۔ اخروی اجر کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ پر ایمان لایا جائے اور پھر ان کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کیا جائے۔ اس کے بغیر کوئی عمل، عمل صالح نہیں اور کوئی نیکی، نیکی نہیں۔

[1] صحیح مسلم، البر و الصلة، باب فضل إزالة الأذى عن الطريق حديث:1914 بعد حديث:2617

[2] صحیح مسلم، البر و الصلة، باب فضل إزالة الأذى عن الطريق، حديث:2618

اس آیت میں امت مسلمہ کے امتِ خیر ہونے کی علت،أمر بالمعروف،نہی عن المنکر اور إیمان باللہ کو قرار دیا گیا ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ''امتِ خیر'' ہے،بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار دی جاسکتی ہے۔

تاہم جہاں برائی کو ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ ہو تو وہاں زبان سے اس کی برائی واضح کرنے کی تاکید ہے۔اس کی طاقت نہ ہو تو اپنے دل میں ضرور برا محسوس کرے۔ ارشاد نبوی ہے:

«فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»

''اگر ہاتھ سے بدلنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے،زبان سے بھی روکنے کی طاقت نہ ہو،تو دل میں اسے ضرور برا سمجھے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔''[1]

اس کا مطلب ہے کہ برائی سے کسی صورت بھی سمجھوتہ کرنے کی یا اس پر خاموش رہنے کی اجازت نہیں ہے۔

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون النھی عن الإیمان......،حدیث:49

حدیث: 73

صدقے کی برکات

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ»
''صدقہ مال کو کم نہیں کرتا۔''[1]

صدقہ، زکاۃ کو بھی کہا جاتا ہے، یہ فرضی صدقہ ہے، یعنی ہر صاحب نصاب مسلمان کے لیے (شروط معتبرہ کے ساتھ) اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ زکاۃ کے علاوہ نفلی خیرات کو بھی صدقہ کہا جاتا ہے۔ اس حدیث میں صدقے کی دونوں قسمیں ہیں۔ انسان اپنے مال میں سے ایک سال گزرنے کے بعد زکاۃ ادا کرے، یا ویسے ہی نفلی صدقہ کرے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ اس سے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ظاہری طور پر تو کمی ہوتی ہے، پھر اس کا مطلب کیا ہے۔

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے کے مال میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور اس کو پہنچنے والے نقصانات سے بچالیا جاتا ہے، اس طرح اس کی ظاہری کمی کا ازالہ مخفی برکت کے ذریعے سے کر دیا جاتا ہے اور کبھی فی الواقع اللہ تعالیٰ ظاہری طور پر بھی اس کے کاروبار اور ذریعۂ آمدنی میں اضافہ فرما دیتا ہے۔ دوسرا مطلب ہے کہ کمی تو یقیناً ہوتی ہے لیکن اس صدقے کا اسے جو اجر ملے گا، اس سے نہ صرف اس کی کمی پوری ہو جائے گی بلکہ کئی گنا اضافہ بھی ہو جائے گا۔

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حدیث: 2588

حدیث:36

مظلوم کی بددعا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ»

''مظلوم کی بددعا سے بچو۔''[1]

اس کے بعد حدیث کے الفاظ ہیں:

«فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ»

''اس لیے کہ اس (بددعا) کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔''[2]

یعنی اس کی قبولیت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ جیسے ایک دوسری حدیث میں ہے:

«دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ مُسْتَجَابَةٌ وَّإِنْ كَانَ فَاجِرًا ، فَفُجُورُهُ عَلٰى نَفْسِهِ»

''مظلوم کی بددعا مقبول ہے اگرچہ وہ اللہ کا نافرمان ہو، پس اس کے فسق و فجور کا وبال اسی پر ہے۔''[3]

یعنی کفر وفسق کی سزا اسے ضرور بھگتنی ہوگی لیکن اُس کا کفر وفسق اس کی بددعا کی قبولیت میں مانع نہیں ہوگا اگر وہ واقعی مظلوم ہو، یعنی اس پر ظلم وزیادتی کا ارتکاب کیا گیا ہو۔

---

① صحیح البخاری، المظالم، باب الاتقاء والحذر من دعوة المظلوم ، حدیث :2448

② صحیح البخاری، المظالم، باب الاتقاء والحذر من دعوة المظلوم، حدیث:2448

③ مسند أحمد:367/2، و مسند الطیالسی، حدیث:1266، وحسنه الألبانی فی صحیح الجامع الصغیر، حدیث:3382

حدیث:74

تھوڑی چیز کا بھی صدقہ ہوسکتا ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ»

''جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ آدھی کھجور کے ساتھ ہی۔''[1]

صدقہ و خیرات اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صرف اسی کا صدقہ قبول نہیں فرماتا جو بھاری مقدار میں صدقہ کرے، کیونکہ ہر شخص تو بھاری مقدار میں صدقہ و خیرات نہیں کرسکتا، اس لیے یہ ضروری نہیں کہ جب انسان کے پاس ڈھیر سارا مال جمع ہو، تب ہی وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے بلکہ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کرسکتا ہے حتی کہ اگر کسی کے پاس آدھی کھجور ہی صدقے کے لیے ہے، تو وہ آدھی کھجور ہی خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرسکتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی، سمجھ لو وہ جہنم کی آگ سے بچ گیا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: ''آدھی کھجور ہی خرچ کر کے جہنم سے بچ جاؤ۔'' کیونکہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا بھی خرچ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوگا اور دکھلاوے کے لیے قارون کا خزانہ بھی خرچ کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ آدھی کھجور بطور تمثیل کے ہے، مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا صدقہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوسکتا ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

---

[1] صحیح البخاری، الزکاۃ، باب: اتقوا النار ولو بشق تمرة، حدیث: 1417

ان احادیث سے یہ سبق ملتا ہے کہ کسی کے ساتھ بھی ظلم وزیادتی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے حتی کہ کافروں کے ساتھ بھی ظالمانہ برتاؤ کی اجازت نہیں۔

ایک مسلمان کا شیوہ ہر ایک کے ساتھ ہمدردی، اخوت اور تعاون کا ہونا چاہیے نہ کہ ظلم اور فریب کا۔ دیر یا سویر ظلم کی ناؤ بہرحال ڈوب کر رہتی ہے۔

حدیث: 75

توبہ کی فضیلت واہمیت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهُ»

''گناہ سے توبہ کرنے والا، اس شخص کی طرح ہے جس سے گناہ صادر ہی نہیں ہوا۔''[1]

انسان خطا ونسیان کا پیکر ہے۔ ہر انسان سے غلطی اور خطا ہو سکتی ہے اور ہوتی ہے لیکن نیک بندوں کا شیوہ یہ ہے کہ ان سے غلطی ہوتی ہے تو فوراً توبہ واستغفار کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی توبہ کرنے والے انسان سے بہت خوش ہوتا ہے، اس لیے ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے:

«كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ»

''تمام انسان خطا کار ہیں لیکن سب سے بہتر خطا کار وہ ہیں جو (اللہ کی بارگاہ میں جھک کر) توبہ کر لیتے ہیں۔''[2]

قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے متقین کی صفات میں ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے:

---

[1] سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة، حديث: 4250، و حسنه الألباني في صحيح الجامع الصغير، حديث: 3008

[2] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في استعظام المؤمن ذنوبه ......، حديث: 2499، وصحيح الجامع الصغير، حديث: 4515
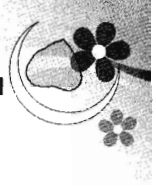
حدیث 37

کوئی مرض لا علاج نہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لِكُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ»

''ہر بیماری کا علاج ہے۔''[1]

اسی حدیث میں اس کے بعد ہے:

''جب بیماری کے علاج (دوا دارو) تک رسائی ہو جاتی ہے، تو انسان اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھیک ہو جاتا ہے۔''

ہر انسان کو دنیا میں کوئی نہ کوئی بیماری لاحق ہوتی رہتی ہے، شاید ہی کوئی شخص ہو جو بالکلیہ بیماری سے محفوظ ہو۔ اس حدیث میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ بیماری اگرچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے جس طرح دوسرے تمام کام بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت سے ہوتے ہیں، تاہم اس کا علاج کرانا بھی جائز ہے۔

علاج کراتے وقت بھی یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے شفا نصیب ہو گی۔ دوا کے اندر شفا کی تاثیر پیدا کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، نہ کہ کسی دوائی کا۔ ہاں، اسباب ظاہری کے تحت علاج کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح بیماری نازل فرمائی ہے، اسی طرح دوا بھی اتاری ہے۔ جب صحیح دوا مل جاتی ہے تو انسان اللہ تعالیٰ کے حکم سے شفا یاب ہو

[1] صحیح مسلم، السلام، باب لكل داء دواء، واستحباب التداوی، حدیث :2204

﴿وَلَمۡ يُصِرُّواْ عَلَىٰ مَا فَعَلُواْ وَهُمۡ يَعۡلَمُونَ ١٣٥﴾

''اور وہ اپنے کیے پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے (بلکہ توبہ کر لیتے ہیں)۔''[3]

یہ توبہ کیا ہے؟ اکثر لوگ زبان سے توبہ توبہ کر لینے یا اَسۡتَغۡفِرُاللّٰه، اَسۡتَغۡفِرُاللّٰه کا ورد کر لینے کو توبہ سمجھتے ہیں، لیکن یہ صحیح توبہ نہیں۔ اصل توبہ میں چار چیزیں ضروری ہیں۔ اس کے بغیر توبہ محض ایک مذاق ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جاہلانہ طور پر روا رکھا جاتا ہے۔

- سب سے پہلے جس گناہ سے توبہ کر رہا ہے، اسے ترک کرے۔
- گناہ کے ارتکاب پر ندامت اور پشیمانی کا اظہار کرے۔
- اسے آئندہ کبھی نہ کرنے کا عزم کرے۔
- اور اگر اس کوتاہی کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو اس کا حتی الامکان ازالہ کرے۔ مثلاً کسی کا حق غصب کیا ہے تو اس کا حق واپس کرے، کسی کی رقم ہڑپ کی ہے تو وہ لوٹائے، غرض جو بھی زیادتی کسی کے ساتھ کی ہے، پہلے اس کا ازالہ کرے۔

لوگ ان بنیادی چیزوں کا اہتمام تو کرتے نہیں، صرف زبانی توبہ کو کافی سمجھتے ہیں، حالانکہ زبانی توبہ کافی نہیں۔ خالص توبہ ضروری ہے، اور خالص توبہ وہی توبہ ہے جس میں مذکورہ بالا چاروں شرطیں پائی جائیں۔

---

[3] آل عمران 135:3

حدیث:76

صبر، مینارۂ نور

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ»

''صبر روشنی ہے۔''[1]

صبر کا مطلب ہے، حوصلے اور ہمت سے برداشت کرنا۔ اس کی تین قسمیں ہیں:

1. ایک اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکموں پر چلنے میں جو عارضی پریشانیاں آئیں، بالخصوص ایک فسادزدہ اور بگڑے ہوئے معاشرے میں، جہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی عام ہو، شریعت پر چلنا انگاروں پر چلنے کے مترادف ہو اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑنا اور اس کے ضابطوں کو پامال کرنا لوگوں کا معمول ہو، ایسے معاشرے میں شریعت کے مطابق زندگی گزارنے میں انسان کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لوگوں کی ملامتیں سہنی پڑتی ہیں، بہت سے مفادات چھوڑنے پڑتے ہیں اور کئی مرغوب چیزوں کی قربانی دینی پڑتی ہے لیکن ایک مومن ان سب چیزوں کو برداشت کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتا۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا۔

2. صبر کی دوسری قسم ہے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز رہنا۔ بعض دفعہ بلکہ اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں لذت نفس کا سامان ہوتا ہے۔ دنیا کے مفادات ہوتے ہیں یا خاندان

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، حديث: 223

اور قبیلے کی رضا مندی ہوتی ہے۔ان تمام چیزوں کو نظر انداز کرنے کے لیے بڑے حوصلے اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے ایسے حوصلے اور ہمت کا حامل ایک مومن کامل ہی ہوسکتا ہے۔ یہ معصیت پر صبر کرنا ہے،یعنی تکلیفیں آتی ہیں تو آئیں،لذاتِ نفس اور مرغوبات دنیا چھوڑنی پڑتی ہیں تو چھوڑ دیں،خاندان اور برادری ناراض ہوتی ہے تو ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی جائے۔

③ صبر کی تیسری قسم ہے،مصیبتوں اور آزمائشوں پر صبر کرنا۔ جیسے کاروبار میں نقصان ہو جائے،عزیز واقارب میں سے کوئی فوت ہو جائے،اس طرح کی کوئی اور آفت ارضی یا سماوی لاحق ہو جائے،تو مسلمان صرف ﴿ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی تقدیر ومشیت پر راضی رہے، جزع فزع،واویلا یا نوحہ وماتم نہ کرے۔

جو مسلمان اس طرح صبر ورضا کا مظاہرہ کرتا ہے،یہ صبر اسے روشنی مہیا کرتا ہے جس سے اس کی راہیں روشن اور آسان ہو جاتی ہیں اور حق پر استقامت نصیب ہوتی ہے جو بہت بڑی سعادت ہے۔

حدیث: 77

عبادت میں مستقل مزاجی کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ»

''اللہ کو سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جو پابندی سے کیا جائے، چاہے وہ تھوڑا ہی ہو۔''[1]

ہر عمل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ عمل ہے جو فرض ہے اور دوسرا عمل وہ ہے جو نفل کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرائض کی ادائیگی تو اسی طرح اور اتنی ہی مقدار میں ضروری ہے جس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس کی مقدار یا تعداد میں کمی بیشی جائز نہیں، جب کہ نوافل کی حیثیت فرائض سے مختلف ہے۔ نوافل کی مقدار یا تعداد مقرر نہیں ہے۔ یہ انسان کی اپنی مرضی پر ہے، اس میں اپنی مرضی سے کمی بیشی جائز ہے۔ جیسے کوئی شخص نفلی نماز ایک روز دو دو کر کے دس رکعات پڑھے، دوسرے روز بارہ پڑھے، تیسرے روز آٹھ پڑھے، کسی روز دو رکعت بھی نہ پڑھے۔ ایک شخص کسی مہینے نفلی روزے بیس، کسی مہینے دس، کسی مہینے پانچ رکھے اور کسی مہینے ایک بھی نہ رکھے۔ تو ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ نفلی عبادت کی حیثیت یہی ہے کہ اس پر عمل باعث ثواب ہے اور اس کا ترک گناہ نہیں ہے، تاہم نفلی عمل میں زیادہ پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ فرض و واجب سمجھے بغیر اس کی ایک مقدار متعین کر لے (چاہے وہ تھوڑی ہی ہو) اور پھر اسے پابندی

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضيلة العمل الدائم من قيام الليل وغيره ......، حديث: 783

سے کرے۔اس حدیث میں یہی بات بیان کی گئی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ انسان زیادہ سے زیادہ نفلی عبادت کرتا ہے لیکن پھر دوسرے روز سست ہو جاتا ہے اور کچھ بھی نہیں کر پاتا۔ زیادہ بوجھ ڈال لینے کا نتیجہ بالعموم یہی نکلتا ہے، اس لیے شریعت نے پسندیدہ امر اسی بات کو قرار دیا ہے کہ نوافل میں اپنے آپ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو اور عمل کی اتنی مقدار اختیار کرو جس پر تم مستقل مزاجی سے عمل کرسکو، نبی ﷺ کا بھی یہی معمول تھا۔

اذان کے جواب کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ»

''جب تم مؤذن کی اذان سنو، تو وہ جو کہتا ہے تم بھی اس کی مثل کہو۔''[1]

یعنی مؤذن کی اذان کے ساتھ ساتھ تم بھی اذان کے الفاظ دہراتے جاؤ۔ صرف حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ''نماز کی طرف آؤ، کامیابی کی طرف آؤ'' کے جواب میں لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کہا جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ جو نماز اور کامیابی کی طرف بلایا جا رہا ہے تو یا اللہ! تیری ہی مدد اور قوت سے ہم اس کی طرف جا سکتے ہیں، پس تو ہی نماز کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما۔

نبی ﷺ نے مزید فرمایا کہ: ''پھر (اذان ختم ہونے کے بعد) مجھ پر درود (ابراہیمی) پڑھو، اس لیے کہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت بھیجتا ہے۔ پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلے کی دعا کرو۔ یہ جنت میں ایک مقام ہے، جو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں گا۔ چنانچہ جس نے میرے لیے وسیلے کا سوال کیا، وہ میری شفاعت کا مستحق ہو گیا۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن ...... ، حدیث : 384

[2] صحیح مسلم، الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، حدیث:384
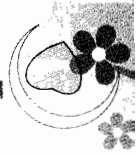
ایک اور روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''جو شخص مؤذن کی اذان سن کر یہ پڑھتا ہے، اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُولاً وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور بے شک محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے اللہ کے رب ہونے کو، محمد (ﷺ) کے رسول ہونے کو اور اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔''[1]

ان تمام روایات کا خلاصہ حسب ذیل ہے، اسی کے مطابق عمل کیا جائے:

① مؤذن کے ساتھ ساتھ، اذان کے کلمات دہرائے جائیں، صرف حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الفَلَاحِ کے جواب میں لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھا جائے۔

② اذان ختم ہونے کے بعد درود ابراہیمی پڑھا جائے۔

③ پھر دعائے وسیلہ:

① صحیح مسلم، الصلاۃ، باب استحباب القول مثل قول المؤذن، حدیث:386

② صحیح البخاری، الأذان، باب الدعاء عند النداء، حدیث : 614

حدیث: 79

مسجد میں داخل ہونے کی دعا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَبِّ اغْفِرْلِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ»

”اے میرے پروردگار! میرے گناہ معاف کر دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔“[1]

نبی ﷺ جب مسجد میں داخل ہوتے تو اپنے آپ پر صلاۃ و سلام بھیجتے اور مذکورہ بالا دعا پڑھتے تھے۔

[1] جامع الترمذي، الصلاة ، باب ما جاء ما يقول عند دخوله المسجد، حديث : 314

حدیث:80

مسجد سے نکلتے وقت کی دعا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَبِّ اغْفِرْلِي ذُنُوبِي وَافْتَحْ لِي أَبْوَابَ فَضْلِكَ»

''اے میرے پروردگار! میرے گناہ معاف کر دے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔''[1]

نبی ﷺ جب مسجد سے نکلتے تو اپنے آپ پر صلاۃ وسلام بھیجتے اور پھر مذکورہ دعا پڑھتے۔ ترمذی میں نبی ﷺ کے عمل کا بیان ہے جب کہ سنن ابی داود میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو نبی ﷺ پر سلام بھیجے اور پھر دعا پڑھے۔''[2]

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت [اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰه] پڑھ کر مذکورہ دعائیں پڑھی جائیں۔

انسان جب مسجد میں آتا ہے تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے تاکہ وہ اس کی رحمت کا مستحق بن جائے، اس لیے اس موقعے کی دعا میں رحمت کے دروازوں کے کھولنے کی استدعا ہے۔ اور مسجد سے باہر نکل کر انسان پھر کسبِ معاش کی مصروفیات میں پھنس جاتا ہے، اس لیے دعا میں فضل وکرم کے دروازوں کے کھولنے کی درخواست ہے۔

---

[1] جامع الترمذی، الصلاۃ، باب ماجاء ما یقول عند دخوله المسجد، حدیث: 314

[2] سنن أبی داود، الصلاۃ، باب مایقول الرجل عند دخوله المسجد، حدیث:465

باب : 8

حدیث: 81

دورُخا پن، ایک جرم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ ذَا الْوَجْهَيْنِ، الَّذِي يَأْتِي هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ، وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ»

''لوگوں میں سب سے بدتر دورخا آدمی ہے جو کچھ لوگوں کے پاس ایک چہرے کے ساتھ اور دوسرے لوگوں کے پاس دوسرے چہرے کے ساتھ آتا ہے۔''[1]

یہ شخص بھی چغل خور کی طرح فسادی یا مفاد پرست ہے۔ دو چہروں کا مطلب ہے کہ ایک شخص کے پاس جاتا ہے تو اس سے کچھ باتیں کرتا ہے اور دوسرے شخص کے پاس جاتا ہے تو اس سے مختلف کچھ اور باتیں کرتا ہے۔ مقصد دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنا، اختلافات کی خلیج وسیع کرنا یا اپنا اُلو سیدھا کرنا ہوتا ہے۔

یہ دورُخا کردار یا دوغلا پن منافقت پر مبنی ہے جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کیونکہ اُسے تو صرف حنیفیت، یعنی اخلاص اور یکسوئی پسند ہے۔ اور منافقت سے وہ ناراض ہوتا ہے، اس لیے یہ دورُخا آدمی بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین خلائق شمار ہوگا۔

❀❀❀

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب ذم ذی الوجھین ...... ، حدیث :2526، بعد حدیث:2604

حدیث:82

زمانے کو گالی دینے کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ»

''زمانے کو گالی مت دو۔''[1]

اس کی وجہ حدیث میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے، یعنی کائنات میں ہر قسم کا تصرف کرنے والا وہی ہے۔ اس کے حکم ہی سے آفات وحوادث کا نزول ہوتا ہے۔ گویا وہی حوادث کا فاعل اور کائنات کا خالق ہے۔ اس اعتبار سے اللہ کو ''زمانہ'' بطور مجاز کہا گیا ہے کیونکہ عرب میں عام رواج تھا کہ جس پر کوئی مصیبت آتی تھی تو وہ کہتا تھا، ہائے زمانے کی بدبختی! یا اسی قسم کے الفاظ جن میں زمانے کو برا بھلا کہا جاتا۔ نبی ﷺ نے زمانے کو گالی دینے سے منع فرما دیا۔ مطلب یہ تھا کہ تم حوادث کے فاعل کو گالی مت دو، اس لیے کہ وہ فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ گویا زمانے کو گالی دینا، اللہ تعالیٰ کو گالی دینا ہے، ورنہ زمانہ تو بجائے خود مخلوق ہے جو کسی قسم کے تصرف کا اختیار ہی نہیں رکھتا۔

بدقسمتی سے یہ بیماری جس سے روکا گیا، آج بھی عام ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی لوگ کسی مصیبت یا حادثے پر زمانے کو یا ''فلک کج رفتار'' کو یا اسی پیرائے میں کسی نہ کسی کو گالی دے کر اپنی بھڑاس نکالتے اور اپنے دل کو تسکین دیتے ہیں۔ ہمیں اس سے بچنا چاہیے۔ زمانے کی طرح دوسری چیزوں کو بھی گالی دینا ممنوع ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، الألفاظ من الأدب، باب النهي عن سب الدهر، حديث: 2246

ایک صحابیہ کو شدید بخار تھا، نبی ﷺ مزاج پرسی کے لیے تشریف لے گئے تو وہ بخار کی شدت سے کانپ رہی تھی۔ آپ ﷺ کے پوچھنے پر اس نے کہا: یہ کپکپاہٹ بخار (کی شدت کی وجہ سے) ہے، اللہ تعالیٰ اس میں برکت نہ کرے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسُبِّي الْحُمَّى فَإِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ، كَمَا يُذْهِبُ الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ»

''بخار کو گالی مت دو، اس لیے کہ وہ انسانوں کے گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کا زنگ دور کر دیتی ہے۔''[1]

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب ثواب المؤمن فیما یصیبه من مرض أو ......، حدیث: 2575

حدیث: 83
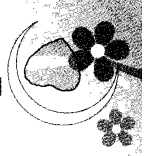
مرغ کو گالی نہ دو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوا الدِّيكَ فَإِنَّهُ يُوقِظُ لِلصَّلٰوةِ»

''تم مرغ کو گالی مت دو، اس لیے کہ وہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔''[1]

بعض لوگ نیند کے اتنے متوالے ہوتے ہیں کہ جو بھی ان کی نیند میں خلل کا باعث بنتا ہے، اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ جانوروں میں مرغ واحد جانور ہے جو صبح صادق کے وقت یا اس سے کچھ دیر پہلے بیدار ہو جاتا ہے اور ککڑوں کوں کہنا شروع کر دیتا ہے، جسے ہمارے ہاں مرغ کی اذان کہا جاتا ہے۔ مرغ کی یہ اذان ان لوگوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے جو نماز فجر کے عادی ہیں، کیونکہ مرغ کی اذان سے ہزاروں لوگ نماز فجر کے وقت اٹھ جاتے ہیں۔ لیکن بے نمازیوں کے لیے مرغ کی یہ بانگِ سحر، سوہانِ روح ہوتی ہے، مگر چونکہ وہ اسے روکنے پر قادر نہیں ہوتے، اس لیے مرغ کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں کہ یہ ہماری نیند خراب کر دیتا ہے۔ نبی ﷺ نے ایسے لوگوں کو اس طرح کرنے سے روکا ہے۔ بلکہ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] سنن أبی داود، الأدب، باب فی الدیك والبهائم، حدیث :5101 ، و صحیح الجامع الصغیر، رقم الحدیث :7314

«إِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَاسْأَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهِ، فَإِنَّهَا رَأَتْ مَلَكًا، وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِنَّهَا رَأَتْ شَيْطَانًا»

''جب تم مرغ کی آواز سنو تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو، اس لیے کہ وہ فرشتے کو دیکھتا ہے۔ اور جب گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے بچنے کی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو، اس لیے کہ وہ شیطان کو دیکھتا ہے۔''[1]

[1] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب الدعاء عند صياح الديك، حديث: 2729

حدیث:84

سب کچھ اللہ ہی سے مانگو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ»

''جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔''[1]

یعنی انسان کو جب کوئی ایسی حاجت ہو جو ظاہری اسباب سے پوری ہونے والی نہ ہو یا اس کی دسترس میں نہ ہو تو انسان وہ چیز صرف اللہ تعالیٰ سے مانگے۔ اسی سے دعا و التجا کرے، اس لیے کہ مافوق الاسباب طریقے سے دعاؤں کا سننے والا اور اسباب کے بغیر ہر کسی کی حاجت پوری کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے سوا کسی میں یہ قوت و طاقت نہیں ہے۔

اسباب کے ماتحت تو انسان ایک دوسرے کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اس لیے اسباب کی حد تک ان سے سوال کرنا بھی جائز ہے جیسے کسی زندہ انسان سے ایک شخص کوئی چیز مانگے، تو وہ سننے پر بھی اور اس کی حاجت پوری کرنے پر بھی قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾

[1] جامع الترمذی، صفة القیامة، باب حدیث حنظلة......، حدیث:2516، وصحیح الجامع الصغیر، حدیث:7957

''اور نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔''[1]

یہی مدد انبیاء علیہم السلام نے بھی اللہ تعالیٰ کے بندوں سے مانگی تھی جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿مَنْ أَنصَارِىٓ إِلَى ٱللَّهِ﴾

''(اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے میں) کون میری مدد کرنے والا ہے؟''[2]

حواریوں نے کہا:

﴿نَحْنُ أَنصَارُ ٱللَّهِ﴾

''ہم اللہ کے مددگار ہیں۔''[3]

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے میں آپ کی مدد کرنے والے ہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ کی بابت بھی آتا ہے کہ دس سالہ مکی دور میں، جب کہ تبلیغ اسلام میں قدم قدم پر رکاوٹیں اور مخالفتیں تھیں، حج کے موسم میں آپ ﷺ مختلف قبائل عرب پر اسلام بھی پیش فرماتے اور ان سے اپنی قوم قریش سے بچاؤ کے لیے مدد بھی طلب فرماتے اور کہتے کہ ہے کوئی ایسا جو مجھے پناہ دے اور میری مدد کرے تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ بیان فرماتے ہیں:

«مَكَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَشْرَ سِنِينَ، يَتَّبِعُ النَّاسَ فِي مَنَازِلِهِمْ بِعُكَّاظٍ وَّمَجَنَّةَ فِي الْمَوَاسِمِ بِمِنًى، يَقُولُ: مَنْ يُّؤْوِينِي، مَنْ يَّنْصُرُنِي حَتَّى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي وَلَهُ الْجَنَّةُ»

---

[1] المائدة 2:5

[2] آل عمران 52:3

[3] آل عمران 52:3
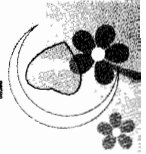
رسول اللہ ﷺ مکے کے دس سالہ دور قیام میں موسم حج میں، بمقام منیٰ لوگوں کی قیام گاہوں، عکاظ اور مجنہ میں لوگوں کے پیچھے جاتے اور فرماتے، کون ہے جو مجھے جگہ (پناہ) دے؟ کون ہے جو میری مدد کرے؟ تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں، اس کے بدلے اس کے لیے جنت ہے۔'' ①

ایک موقعے پر رسول اللہ ﷺ یہی بات فرما رہے تھے کہ، کون ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے جائے کیونکہ قریش مجھے اس بات سے روکتے ہیں کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچاؤں۔ تو ہمدان قبیلے کا ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

«هَلْ عِنْدَ قَوْمِكَ مِنْ مَّنَعَةٍ»

''کیا تیری قوم کے اندر حفاظت و نگرانی کرنے والے ہیں؟'' ①

بیعت عقبہ ثانیہ جس میں بہتر آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کے دست حق پر بیعت کی تھی، اس بیعت میں دیگر باتوں کے ساتھ ایک عہد یہ بھی تھا:

«وَعَلٰى أَنْ تَنْصُرُونِي فَتَمْنَعُونِي إِذَا قَدِمْتُ عَلَيْكُمْ مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ وَأَزْوَاجَكُمْ وَأَبْنَاءَكُمْ وَلَكُمُ الْجَنَّةُ»

''اور یہ کہ جب میں تمھارے پاس آؤں گا، تم میری مدد کرو گے اور میری طرف سے اسی طرح مدافعت کرو گے جیسے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اپنے بیٹوں کی طرف سے مدافعت کرتے ہو اور اس کے بدلے تمھارے لیے جنت ہے۔'' ③

اس تفصیل سے مقصد اس پہلو کی وضاحت کرنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سمیت تمام انسان ظاہری

---

① مسند أحمد:322/3، والفتح الرباني :269/20

② مسند أحمد:390/3

③ مسند أحمد:322/3

اسباب کی حد تک ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر وہ زندگی گزار ہی نہیں سکتے۔ اس لیے اسباب کے ماتحت ایک دوسرے سے سوال کرنا، ایک دوسرے سے مدد مانگنا اور چیز ہے اور اسباب سے ہٹ کر کسی طریقے سے سوال کرنا اور مدد مانگنا اور چیز ہے۔ پہلی صورت نہ صرف جائز ہے بلکہ ناگزیر ہے، جب کہ دوسری صورت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ انسان ماورائے اسباب طریقے سے کسی کی بات سن سکتا ہے نہ کسی کی مدد کر سکتا ہے۔ یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان صفات کا حامل نہیں۔ حدیث مذکور الصدر میں پہلی صورت کا نہیں، بلکہ دوسری صورت کا ذکر ہے۔ یعنی ماورائے اسباب طریقے سے سوال کرنا ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے کرو، مدد مانگنی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ کیونکہ صرف وہی ہے جو دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سن سکتا ہے اور ہر ایک کی مدد کر سکتا ہے، فوت شدہ افراد کسی کی فریاد سن سکتے ہیں نہ مدد کر سکتے ہیں۔

حدیث: 85

رحمتِ الٰہی سے محرومی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَّا يَرْحَمِ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ اللهُ»

''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔''[1]

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت رَحِیم ہے، ''بہت رحم کرنے والا۔'' چنانچہ یہ اس کا رحم و کرم ہی ہے کہ وہ مومن و کافر، اپنے فرماں بردار اور نافرمان دونوں طرح کے بندوں کو یکساں طور پر دنیوی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ نافرمانی کی وجہ سے کسی کی روزی بند نہیں کرتا۔ اگر وہ نافرمانی کی وجہ سے ایسا کرتا اور فوراً لوگوں کی گرفت فرماتا، تو یقیناً بڑے بڑے پارساؤں کا بھرم کھل جاتا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اس کے بندے بھی اختیار کریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے، وہ عادل ہے، عدل و انصاف کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔ سَتَّار ''پردہ پوش'' ہے، پردہ پوشی کرنے والے کو پسند فرماتا ہے، اسی طرح جو اس کی مخلوق کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمائے گا، اس لیے کہ جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے۔

❀❀❀

---

[1] جامع الترمذی، الزهد، باب ما جاء في الرياء والسمعة، حديث: 2381 ، مسند أحمد: 4/358، و صحيح الجامع الصغير، رقم الحديث: 6597

کافرانہ فعل

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ»

''میرے بعد تم ایک دوسرے کی گردنیں مار کر، کافر نہ بن جانا۔'' [1]

مسلمانوں کا آپس میں لڑنا اور ایک دوسرے کا ناجائز خون بہانا، اتنا سنگین جرم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کفر سے تعبیر فرمایا ہے۔ گویا یہ ایک کافرانہ فعل ہے، یہ کسی مسلمان کا شیوہ نہیں۔ مسلمان کا شیوہ تو کافروں، یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑنا اور ان سے جہاد کرنا ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک اہم صفت یہ بیان فرمائی ہے:

﴿أَشِدَّآءُ عَلَى ٱلْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾

''کافروں پر سخت، آپس میں رحم دل۔'' [2]

مسلمان جب تک اس صفت سے متصف رہے، میدانِ جہاد میں کافروں سے برسر پیکار رہے جس کے نتیجے میں مسلمان ہر جگہ غالب وکامران اور کافر مغلوب ونا کام ہوئے۔

آج جب مسلمانوں کی حالت اس کے برعکس ہوگئی ہے، یعنی آپس ہی میں لڑ جھگڑ رہے

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان معنی قول النبی ﷺ: لا ترجعوا بعدی کفارا ...... ، حدیث: 65

[2] الفتح 48:29

اور ایک دوسرے کی گردنیں مار رہے ہیں اور کافر انھیں للکار رہے ہیں لیکن مسلمان ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے سے گریزاں اور ان سے معاہدے کرنے اور محبت کی پینگیں بڑھانے میں مصروف ہیں، تو وہ مغلوبیت وپستی کا شکار اور ذلت ونکبت سے دوچار ہیں۔

اس لیے مسلمان اگر چاہتے ہیں کہ اپنی عظمت رفتہ حاصل کریں، عزت وسرفرازی ان کے حصے میں آئے اور دنیا میں وہ باوقار زندگی گزاریں، تو اس کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری کرتے ہوئے آپس میں بھائی بھائی اور شفیق ورحیم بن کر رہیں۔ اپنے اختلافات بھائیوں کی طرح آپس میں بیٹھ کر دور کریں اور ایک دوسرے کے خلاف سازشوں کے جال بننے چھوڑ دیں۔ اور کفر اور کافروں کے خلاف مجسم غیظ و غضب بن جائیں، قہر الٰہی بن کر ان پر ٹوٹ پڑیں اور جہاد کے ذریعے سے ان کی قوت وشوکت پر کاری ضرب لگا کر اُسے پارہ پارہ کریں اور افسانۂ ماضی بنا دیں۔

حدیث:87

تکبر کی حقیقت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»

''(سرکشی کا اظہار کرتے ہوئے) حق کا انکار کر دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا کبر ہے۔''[1]

''کبر'' اصل میں یہ ہے کہ کسی کے سامنے حق بات پیش کی جائے، تو وہ سرکشی اور عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دے، اسی طرح لوگوں کو حقیر سمجھنا بھی کبر ہے۔ کبر کی یہ دونوں صورتیں بدقسمتی سے عام ہیں۔

کسی کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو جائے یا اونچا منصب مل جائے تو بالعموم اس کے دماغ میں ایسی رعونت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ حق بات ماننے اور سننے سے انکار کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک حسین و جمیل شخص اپنے سے کم تر حسن و جمال رکھنے والے کو، ایک اونچے درجے کا صاحب علم و فضل اپنے سے کم تر صاحب علم کو، ایک اونچے خاندان کی طرف منسوب ہونے والا اپنے سے فروتر خاندانی نسبت رکھنے والے کو، ایک مال دار آدمی غریب آدمی کو، ایک زمین دار، اپنے مزارع یا بے زمین شخص کو، ایک کارخانے دار، صنعت کار اور دکاندار اپنے مزدور اور ملازم کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہے، حالانکہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو انسان کے اپنے اختیار میں

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه ، حديث :91

نہیں ہیں،اس لیے ان چیزوں کی بنا پر فخر کرنا، اِترانا اور دوسروں کو ذلیل سمجھنا بڑی گھٹیا اور بے جواز بات ہے۔ کسی کا حسین وجمیل یا بدصورت ہونا، عالم وفاضل یا جاہل ہونا،کسی برتر خاندان یا کم تر خاندان میں پیدا ہونا، دنیا کے وسائل سے بہرہ ور یا بے بہرہ رہنا، انسانوں کے کسب و اختیار میں نہیں ہے۔ اگر ان میں انسانوں کے کسب واختیار کا دخل ہوتا تو کوئی شخص بھی غریب نہ ہوتا، سیاہ فام اور بدصورت نہ ہوتا اور کوئی بھی کم تر خاندان میں پیدا نہ ہوتا، اس لیے یہ چیزیں نہ وجہ تفاخر ہیں نہ سبب حقارت۔ اگر کوئی شخص ان چیزوں میں سے کسی چیز کی وجہ سے اپنے کو برتر سمجھتا ہے تو یہ بھی کبر ہے اور دوسروں کو حقیر گردانتا ہے تو یہ بھی کبر ہے کیونکہ شریعت نے ان چیزوں کو فضیلت اور برتری کا معیار ہی قرار نہیں دیا ہے۔

شریعت میں فضیلت اور برتری کا معیار صرف ایمان وتقویٰ ہے جو انسان کے کسب و اختیار میں ہے۔ ایمان وتقویٰ کو اختیار کرنے والا بہتر ہے، چاہے اس کا رنگ، شکل وصورت اور قد وقامت کیسا ہی ہو۔ کسی بھی خاندان اور نسل سے اس کا تعلق ہو، امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا محکوم، راعی ہو یا رعایا، جبکہ ایمان وتقویٰ سے محروم نہایت بدتر ہے، چاہے وہ حسن و جمال میں یکتا ہو، مال و دولت کے لحاظ سے وقت کا قارون ہو، نسل ونسب کے اعتبار سے اعلیٰ ہو اور اونچے منصب پر فائز ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ﴾

''تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سے سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہے۔''[1]

① الحجرات 13:49

حدیث 88

دھوکا بازی کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا»

''جس نے ہم سے دھوکا کیا، وہ ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں۔''[1]

اس حدیث میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ معاملات (لین دین) اور خرید و فروخت میں امانت و دیانت کو اپناؤ اور کسی سے دھوکے اور فریب کا معاملہ مت کرو۔

ایک مرتبہ نبی ﷺ گندم کے ایک دکاندار کے پاس سے گزرے، وہاں گندم کی ایک ڈھیری لگی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالا، تو آپ کی انگلیوں کو تری محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے دکاندار سے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا، بارش کی وجہ سے گیلی ہوگئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے گیلا حصہ اوپر کیوں نہیں کیا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیتے (موجودہ صورت تو دھوکا انگیز ہے) جس نے دھوکا کیا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''[2]

اس سے معلوم ہوا کہ قابل فروخت چیز میں اس طرح کے کسی عیب کو گاہک سے چھپانا بھی

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ : من غشنا فليس مِنَّا ،حديث :101

[2] صحيح مسلم،الإيمان، باب قول النبي ﷺ : من غشنا فليس منا، حديث:102

دھوکا ہے۔اس کے علاوہ دھوکا دہی کی اور کئی صورتیں ہیں جیسے :

- ناپ تول میں ایسے انداز سے کمی کرنا کہ دیکھنے والے کو پتہ نہ چلے۔
- جھوٹی قسم کھا کر گاہک کو فریب دینا۔
- گاہک کو اصل قیمت سے کئی گنا زیادہ قیمت بتلا کر اس سے قیمت لگوانا۔
- کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرنا۔
- مشہور مارکہ اور برانڈ سے ملتی جلتی چیزیں بنانا یا بیچنا۔
- (نَجَش) یعنی سازش کے طور پر قیمت زیادہ بڑھا کر لگانا تاکہ دوسرا شخص اسے اس سے زیادہ قیمت پر خرید لے، جب کہ اس کی اپنی نیت خریدنے کی نہ ہو، نہ وہ چیز اتنی مالیت کی ہو۔
- (مُصَرَّاۃ) جانور بیچنا، یعنی دودھیل جانور کا چند دن دودھ نہ دوہنا تاکہ وہ زیادہ دودھ دینے والا جانور معلوم ہو اور خریدار اس دھوکے میں اسے خرید لے۔

اس طرح تجارت اور کاروبار میں ملاوٹ یا دھوکا وفریب کی جتنی بھی صورتیں ہیں، وہ سب ممنوع ہیں۔ایک مسلمان کی تجارت صاف ستھری اور امانت و دیانت پر مبنی ہونی چاہیے جس میں جھوٹ کی آمیزش ہو نہ دھوکا وفریب کی۔

حدیث:89

پانچ بری عادات

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَنَافَسُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا»

''ٹوہ نہ لگاؤ، نہ جاسوسی کرو، نہ دنیا کی چیزوں میں بڑھ بڑھ کر رغبت کرو، نہ باہم حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے بغض رکھو۔''[1]

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں [لَا تَنَا جَشُوا] اور [لَاتَهَجَّرُوا] اور صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں [وَلَا تَدَابَرُوا] کے الفاظ بھی ہیں۔

[وَلَا تَحَسَّسُوا] ''کان لگا کر چوری چھپے ایک دوسرے کی بات نہ سنو۔''

[وَلَا تَجَسَّسُوا] ''ٹوہ میں نہ رہو، جاسوسی نہ کرو، یعنی لوگوں کے عیبوں کی تلاش میں مت رہو اور نہ انھیں کریدو۔''

[وَلَا تَنَا فَسُوا] ''دنیا کی چیزوں میں بڑھ بڑھ کر رغبت نہ کرو۔ یا دنیا کے اسباب و وسائل کے حصول میں ایک دوسرے سے مقابلہ نہ کرو۔''

[وَلَا تَحَاسَدُوا] ''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو''۔ حسد کا مطلب ہے، کسی پر انعام و اکرام کی بارش ہوتے ہوئے دیکھ کر کڑھنا اور اس سے چھن جانے کی آرزو کرنا۔ اس کے

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، حديث: 6064، و صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظن ......، حديث: 2563

برعکس [غِبطَة] ''رشک کرنا'' ہے جو جائز ہے اور اس کا مطلب کسی کو خوش حال دیکھ کر خوش ہونا اور اپنے لیے بھی ویسی ہی خوش حالی وفراوانی کی دعا کرنا۔

[وَلَا تَبَاغَضُوا] ''ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔'' بغض کا مطلب، دشمنی اور کینہ پروری ہے، یعنی کسی مسلمان کی بابت دل میں نفرت و کراہت رکھنا۔ اگر یہ دین کی بنیاد پر ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں سے ان کی نافرمانی کی وجہ سے نفرت رکھنا، تو یہ عین ایمان کا تقاضا ہے جو نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ اور اگر محض ذاتی معاملات یا خاندان و قبیلے یا اور کسی دنیوی غرض ومفاد کی وجہ سے ہو تو یہ نہ صرف ناجائز بلکہ نہایت ناپسندیدہ فعل ہے۔

[وَلَا تَنَا جَشُوا] ''ایک دوسرے سے نجش نہ کرو۔'' نجش کے ایک معنی ہیں سودے کی بڑھ چڑھ کر تعریف کرنا تاکہ خریدار دھوکے میں مبتلا ہو جائے، حالانکہ وہ سودا ایسا نہ ہو جیسا بیچنے کی نیت سے ظاہر کیا جا رہا ہو۔ دوسرے معنی ہیں بڑھ چڑھ کر بولی لگانا، جب کہ خود خریدنے کی نیت نہ ہو بلکہ اس سے مقصود اس چیز کو زیادہ قیمت پر فروخت کروانا ہو جیسے نیلامی کے موقعے پر ان کے اپنے کارندے بڑھ چڑھ کر بولی لگاتے ہیں تاکہ مال زیادہ قیمت پر بکے۔

[وَلَا تَهَجَّرُوا] ''بے ہودہ گوئی مت کرو۔'' ھجر کے معنی ہوتے ہیں، فحش گوئی، یعنی بری اور بے ہودہ باتیں نہ کرو کیونکہ مومن کی زبان سے نکلنے والا کلمہ یا تو کسی کی خیر خواہی کے لیے ہوتا ہے یا وہ اس کے ذریعے سے کسی کو نیکی کی تلقین یا بدی سے روکنے کی سعی کرتا ہے، یا پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کی زبان تر، ورنہ خاموش رہتی ہے۔

[وَلَا تَدَابَرُوا] ''ایک دوسرے کو پیٹھ مت دکھاؤ۔'' اس کا ایک مطلب ہے، ایک دوسرے سے دشمنی مت کرو۔ اور دوسرا مطلب ہے، ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو کیونکہ اس میں بھی لوگ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیر لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں [لَا تَقَاطَعُوا] کے الفاظ بھی آتے ہیں، یعنی ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرو، تعلق توڑ لینا، یعنی میل جول اور بات چیت ختم کر دینا، اس کی بھی سختی کے ساتھ ممانعت ہے۔ آپس میں لڑائی

جھگڑا اور تو تکار بھی ہو جائے، تب بھی حکم یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ تین دن تک دل میں غصہ رکھا جا سکتا ہے۔ تین دن کے بعد صلح کر کے بات چیت کا آغاز کر دینا ضروری ہے۔

مذکورہ نو باتیں ایسی ہیں کہ ان سب سے آپس کے تعلقات میں رخنہ پڑتا اور باہم نفرت و عداوت پیدا ہوتی ہے، اسی لیے شریعت نے ان تمام باتوں سے روک دیا ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ تو تمام مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیتی ہے:

﴿إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾

''سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔''[1]

اس لیے وہ مسلمانوں کو آپس میں بھائیوں والا سلوک ہی کرنے کا حکم دیتی ہے۔ چنانچہ ان احکام کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ! إِخْوَانًا»

''اور اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔''[2]

[1] الحجرات 49:10

[2] صحیح البخاری، الأدب، باب ما ینهی عن التحاسد و التدابر، حدیث:6064 و صحیح مسلم، البر و الصلة، باب تحریم الظن……، حدیث:2563

باب : 9

برے اور بھلے کی پہچان

حدیث: 90

سچائی...... جنت کا راستہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ»

''تم سچائی اختیار کرو، اس لیے کہ سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک لے جاتی ہے۔''[1]

سچائی یا راست بازی کا مطلب ہے کہ کسی کے ساتھ دھوکا فریب نہ کرنا، جعل سازی اور ملاوٹ سے گریز کرنا، خلاف واقعہ بات نہ کرنا۔ ہر معاملے میں سیدھی، صاف اور کھری بات کہنا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوْلًا سَدِيدًا ۝٧٠﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی (سچی) بات کرو۔''[2]

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ

﴿يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَٰلَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾

''اللہ تعالیٰ تمھارے کام سنوار دے گا اور تمھارے گناہ معاف فرما دے گا۔''[3]

---

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب، و حسن الصدق وفضله ، حديث: 2607

[2] الأحزاب 70:33

[3] الأحزاب 71:33

اور جس کے کاموں کی اصلاح ہوگئی تو سمجھ لو کہ اس کی دنیا سنور گئی۔ اور جس کو بارگاہ الٰہی سے گناہوں کی معافی کا پروانہ مل گیا، تو گویا اسے جنت میں جانے کا سرٹیفکیٹ مل گیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سچائی، دنیا اور آخرت میں عزت اور کامیابی کا باعث ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّـٰدِقِينَ ﴿١١٩﴾ ﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''[1]

اس لیے ہر مسلمان کو خود بھی سچا اور راست باز بننا چاہیے اور سچوں ہی کے ساتھ دوستی اور محبت بھی رکھنی چاہیے۔

---

[1] التوبة 9:119

حدیث: 91

سچائی کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ»

''سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔''[1]

یہ اس حدیث کا ایک حصہ ہے جس میں نبی ﷺ نے سچائی اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ اس ٹکڑے میں اس کا فائدہ بیان فرمایا گیا ہے کہ سچائی، نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ایک مسلمان کو نیکی ہی کرنے کا حکم ہے اور مسلمان نیکی ہی کو پسند کرتا ہے۔ اس کا بہترین اور آسان راستہ بتلا دیا گیا ہے کہ ہر معاملے میں سچائی اختیار کرو، نیکی کے راستے تمھارے لیے کھلتے چلے جائیں گے اور نیکی و سچائی کا راستہ یہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا راستہ ہے جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝٧١﴾

''اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کر لی، اس نے یقیناً بڑی کامیابی حاصل کر لی۔''[2]

[1] صحیح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب، وحسن الصدق و فضله ، حدیث: 2607

[2] الأحزاب 71:33
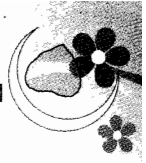
حدیث: 92

نیکی کا انجام

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِى إِلَى الْجَنَّةِ»

''اور نیکی بلاشبہ جنت کی طرف لے جاتی ہے۔''[1]

یہ جملہ بھی گزشتہ حدیث ہی کا حصہ ہے جس میں نیکی کا حسن انجام اور نتیجہ بتلایا گیا ہے۔
ایک مومن کا مطلوب ومقصود کیا ہے؟ جنت کا حصول۔ اور جنت تک پہنچنے کا راستہ کونسا ہے؟ نیکی کا راستہ۔ نیکی کیا ہے؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری۔ جو کام کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے دیا ہے اسے بجالانا نیکی ہے اور جس کام سے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ نے روک دیا ہے، اس سے رک جانا اور اس کے قریب نہ جانا بھی نیکی ہے۔ گویا معروف کو اختیار کرنا اور منکر سے بچنا، دونوں ہی کام نیکی ہیں۔ اور ایک مومن دونوں ہی کام کرتا ہے کیونکہ دونوں کے مجموعے ہی سے نیکی بنتی ہے جیسے سچ بولنا اور جھوٹ سے اجتناب کرنا۔ جب تک دونوں باتوں پر بیک وقت عمل نہیں ہوگا، انسان نیکی کرنے والا نہیں بن سکتا۔

[1] صحيح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب، وحسن الصدق، و فضله، حديث :2607

حدیث: 93

بھلائی کی طرف رہنمائی کرنے والے کا اجر

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ»

''جس نے کسی بھلائی کی طرف (کسی کی) رہنمائی کی تو اسے بھی اس شخص جیسا اجر ملے گا جو اس بھلائی پر عمل کرے گا۔''[1]

نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا، میری سواری ہلاک ہوگئی ہے، مجھے سواری کے لیے کوئی جانور عنایت فرمائیے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس تو کوئی سواری نہیں ہے۔'' تو ایک شخص نے کہا، اے اللہ کے رسول! میں اس کی رہنمائی ایسے شخص کی طرف کرتا ہوں جو اس کو سواری دے دے گا۔ اس موقعے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ ...... اس سے معلوم ہوا کہ اگر انسان خود کسی کے ساتھ بھلائی کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو تو وہ ایسے شخص کا پتہ بتا دے جو مطلوبہ بھلائی کر سکتا ہو تو جو اجر اس بھلائی کرنے والے کو ملے گا بالکل اسی کی مثل اجر رہنمائی کرنے والے کو بھی صرف رہنمائی کرنے کی وجہ سے مل جائے گا۔

دعوت و تبلیغ اور خیر کی نشر و اشاعت کرنے والے بھی اس اصول کے تحت بہت زیادہ اجر و ثواب کے مستحق ہوں گے، یعنی ان کی تبلیغ، تحریر یا چھاپی ہوئی کتاب سے جن لوگوں کو رہنمائی ملے گی اور وہ نیکیوں کو اپنائیں گے تو جو ثواب ان کو ان کی نیکیوں کا ملے گا، وہی ثواب اس مبلغ، مصنف یا ناشر کو بھی ملے گا جس کی تبلیغ سے متاثر ہو کر یا کتاب پڑھ کر اس نے نیکی کو اپنایا ہوگا۔

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب فضل إعانة الغازی...... ، حدیث : 1893
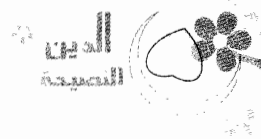
احسان کی تاکید اور اس کا مفہوم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ»

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے اچھا رویہ اختیار کرنا ضروری قرار دیا ہے۔''[1]

نبی ﷺ نے یہ بات جانور کو ذبح کرنے کے ضمن میں فرمائی تھی۔ چنانچہ اس حدیث میں اس کے بعد ہے:

''پس جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ اور تم میں سے ایک شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی چھری کی دھار تیز کر لے اور اپنے ذبح ہونے والے جانور کو راحت پہنچائے۔''

مذبوحہ جانور کو راحت پہنچانے کا یہی طریقہ ہے جو نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ چھری کی دھار تیز کر لی جائے تاکہ وہ تیزی کے ساتھ اس کی گردن کاٹ دے۔ چھری کند ہو گی تو وہ تیزی سے اپنا کام نہیں کرے گی اور جانور کو تکلیف ہو گی۔

قتل سے مراد میدان جہاد میں دشمن کو قتل کرنا ہے۔ اسلام نے اس کی بابت بھی یہ حکم دیا ہے کہ دشمن کی لاش کا مُثلَہ نہ کرو، یعنی جو دشمن تمھاری تلوار، بندوق یا نیزے کی زد میں آ کر مارا

[1] صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل ......، حديث: 1955

گیا ہے، وہ تو ٹھیک ہے، جہاد کا مقصد ہی کفار کی طاقت کو ختم کر کے اعلائے کلمۃ اللہ کی رکاوٹوں کو دور کرنا ہے، اس لیے زیادہ سے زیادہ کاری وار کر کے دشمن کو نیست ونابود کیا جائے۔ لیکن ان مقتولین کا مُثلَہ کرنے کی ممانعت ہے، یعنی قتل کے بعد ان کے کان کاٹنا، یا آنکھیں نکال دینا یا ناک کاٹنا یا ہاتھ کاٹ کاٹ کر الگ کر دینا جیسا کہ شدید دشمنی میں لوگ کرتے ہیں۔ لاش کے ساتھ ایسا سلوک مُثلَہ کہلاتا ہے، مسلمانوں کو سختی کے ساتھ ایسا کرنے سے روکا گیا ہے۔ یہ ہے اچھے طریقے سے قتل کرنے کا مطلب! یعنی ایک ہی وار سے ان کی گردن ان کے تن سے جدا کر دو، اور اس کے بعد لاش کی بے حرمتی مت کرو۔
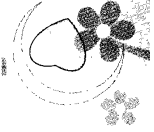
حدیث: 95

قریب المرگ شخص کو ''لا الہ الا اللہ'' کی تلقین کرنا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، دَخَلَ الْجَنَّـةَ»

''جس کا آخری کلام ''لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰه'' ہوگا، وہ جنت میں جائے گا۔''[1]

آخری کلام سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت زبان پر یہ کلمۂ توحید جاری ہو جائے۔ اور یہ اُس شخص کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔ جان کنی کا وقت اور زندگی کا آخری مرحلہ بہت کٹھن اور نہایت دشوار گزار ہوتا ہے۔ اکثر لوگ اس وقت ہوش وحواس سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی توحید کا استحضار اور اس کا اقرار اس کے نیک اور سعادت مند ہونے کی دلیل ہے، اسی لیے نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ»

''تم اپنے قریب الموت شخص کو ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه'' کی تلقین کرو۔''[2]

تلقین کا مطلب اکثر علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ اس کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ اسے کلمۂ توحید اس طرح یاد کرائیں کہ اپنی زبان سے اس کے سامنے ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه'' پڑھیں تا کہ وہ

[1] سنن أبی داود، الجنائز، باب فی التلقین، حدیث : 3116 ، و صحیح الجامع الصغیر، حدیث : 6479

[2] صحیح مسلم، الجنائز، باب تلقین الموتی ...... ، حدیث : 916

بھی سن کر اسے پڑھنے لگے۔ اسے یہ نہ کہیں کہ ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ'' پڑھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہ کلمہ پڑھنے سے انکار کر دے، تاہم جس شخص سے یہ خطرہ نہ ہو وہاں بعض علماء کے نزدیک ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه'' پڑھنے کی تلقین کرنا بھی صحیح ہے۔ [1]

یہ جو مشہور ہے کہ قریب الموت کے پاس بیٹھ کر سورۂ یٰسین پڑھو، تو اس کی بنیاد یہ روایت ہے۔

«اِقْرَؤُوا يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ» [2]

لیکن یہ روایت سخت ضعیف ہے، اس لیے قابل عمل نہیں۔ سورۂ یٰسین پڑھنے کی بجائے، صرف ''لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه'' ہی پڑھا جائے اور کوشش کی جائے کہ مرنے والے کی زبان پر بھی یہ جاری ہو جائے۔

[1] جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قریب المرگ شخص کو کلمہ پڑھنے کی تلقین نہیں کرنی چاہیے تو یہ محل نظر ہے، اس لیے کہ رسول اکرم ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ اس کے پاس پڑھو۔ جب آپ نے تلقین کا حکم دیا ہے تو تلقین کے جو حقیقی معنی ہیں انھیں انھی پر محمول کرنا چاہیے، اور وہ ہے بیمار کو لا إله إلا الله پڑھنے کا حکم دینا، تاہم مریض کی صحت کے پیش نظر اسے نرمی اور پیار سے کہنا چاہیے۔

[2] سنن أبي داود، الجنائز، باب القراءة على الميت، حديث:3121، وضعفه الألباني

قطع رحمی کا گناہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ»

''جنت میں قطع کرنے والا نہیں جائے گا۔''[1]

اس حدیث میں قطع سے مراد قطع رحم ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ قطع رحم یا قطع رحمی کا مطلب ہے، رشتے توڑنا اور رشتے داروں کے ساتھ بدسلوکی کرنا۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اس کے مقابلے میں صلہ رحمی ہے، یعنی رشتوں کو جوڑنا، ملانا، ان کو قائم رکھنا اور رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ اس کی اتنی تاکید ہے کہ رشتے دار اگر بدسلوکی کریں تب بھی صلہ رحمی ہی کرنے کا حکم ہے بلکہ بدسلوکی کے جواب میں رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک ہی کو اصل صلہ رحمی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِي إِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا»

''بدلے کے طور پر حسن سلوک کرنے والا، صلہ رحمی کرنے والا نہیں ہے بلکہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ جب اس کے رحم کو کاٹا جائے (رشتے داری توڑی

[1] صحيح البخاری، الأدب ، باب إثم القاطع، حديث :5984 ،وصحيح مسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم ...... ، حديث :2556

جائے) تو وہ اسے ملائے (یعنی رشتے داری قائم رکھے)۔"[1]

حدیث میں ایک شخص کا واقعہ آتا ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا:

اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتے دار ہیں، میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں، وہ مجھ سے تعلق توڑتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں، وہ مجھ سے بدسلوکی کرتے ہیں۔ میں ان کے ساتھ بردباری سے پیش آتا ہوں، وہ جاہلانہ سلوک کرتے ہیں۔

نبی ﷺ نے اس کی باتیں سن کر فرمایا:

"اگر تو ایسا ہی ہے جیسا کہ تو نے بیان کیا تو گویا تو ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہا ہے۔ اور جب تک تیرا طرز عمل یہی رہے گا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے مقابلے میں تجھ پر ایک مددگار مقرر رہے گا۔"[2]

یعنی جس طرح گرم راکھ کھانے کا نتیجہ اچھا نہیں، اسی طرح ان کی قطع رحمی اور بدسلوکی کا نتیجہ ان کے لیے بہت برا ہے، تاہم تیرا طرز عمل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے شر سے تجھے بچائے گا اور تیری خصوصی حفاظت فرمائے گا۔

[1] صحیح البخاری، الأدب، باب لیس الواصل بالمکافئ، حدیث :5991

[2] صحیح مسلم، البر و الصلة، باب صلة الرحم، و تحریم قطیعتھا، حدیث:2558

چغل خور کے لیے شدید وعید

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ»

''چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔''[1]

بعض روایات میں (قَتَّات) کا لفظ ہے، دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ چغل خوری کا مطلب ہے، لڑائی جھگڑا کرانے یا بڑھانے کی نیت سے ایک شخص کی بات سن کر دوسرے کو پہنچانا۔ یہ مرض ہمارے معاشرے میں عام ہے۔

حکم تو یہ ہے کہ اگر دو دوست، دو بھائی یا دو رشتے دار آپس میں لڑے ہوئے ہوں تو ایک تیسرا شخص دونوں کے سامنے ایک دوسرے کی بابت ایسی باتیں بیان کرے کہ انھیں سن کر ان کی آپس کی کدورتیں اور نفرتیں ختم یا کم ہو جائیں اور وہ ایک دوسرے کے قریب آ جائیں حتی کہ اس کے لیے اسے اپنی طرف سے جھوٹی باتیں بنا کر کہنی پڑیں، تو بھی جائز ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ، وَيَقُولُ خَيْرًا وَّيَنْمِي خَيْرًا»

''وہ شخص جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے اور بھلائی کی بات کرتا اور بھلائی ہی کی بات دوسروں تک پہنچاتا ہے۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحرم النميمة ، حديث : 105

[2] صحيح البخاری، الصلح، باب: ليس الكذاب الذی يصلح ...... ، حديث :2692، و صحيح مسلم، البر والصلة، باب بيان تحريم الكذب، و بيان ما يباح منه ، حديث :2605، واللفظ له۔

اور امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے نہیں سنا کہ تین صورتوں کے علاوہ بھی کسی موقعے کے لیے جھوٹ بولنے کی رخصت دی گئی ہو۔ رخصت والی تین صورتیں حسب ذیل ہیں:

جنگ میں لوگوں کے درمیان صلح کرانا اور شوہر کی اپنی بیوی سے اور بیوی کی اپنے شوہر سے گفتگو۔[1]

یعنی ان تین موقعوں پر اگر جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش آجائے، تو حسب ضرورت اس کی رخصت ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں صلح کی کتنی زبردست اہمیت ہے کہ اس کے لیے جھوٹ بولنا بھی جائز ہے۔ اسی سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ جب صلح کی یہ اہمیت ہے تو لوگوں کو باہم لڑانا اور جلتی پر تیل ڈالنا کتنا سنگین جرم ہوگا۔ ملال یہ ہے کہ بالعموم لوگوں کو اس جرمِ عظیم کے ارتکاب میں بڑی لذت محسوس ہوتی ہے۔

[1] صحيح مسلم،البرو الصلة، باب تحريم الكذب، و بيان ماياح منه، حديث:2605

باب : 10

حدیث: 98

پاکیزگی نصف ایمان ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ»

''پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔''[1]

پاکیزگی، کس طرح آدھا ایمان ہے اس کے مختلف مفاہیم بیان کیے گئے ہیں:

- بعض کے نزدیک ترغیب کے لیے یہ بات مبالغے کے طور پر کہی گئی ہے کہ جب پاکیزگی اجر وثواب کے اعتبار سے آدھے ایمان کے برابر ہے تو پاکیزگی کا اہتمام کرنے میں سستی وکاہلی کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔
- ایمان، کبیرہ اور صغیرہ دونوں قسم کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے جب کہ وضو، یعنی پاکیزگی سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، یوں گویا یہ آدھا ایمان ہوا۔
- ایمان سے مراد، نماز ہے۔ اور نماز، پاکیزگی کے بغیر نہیں۔ تو گویا یہ آدھی نماز کی طرح ہوگئی، یعنی صحت نماز کے لیے ضروری ہے کہ تمام خارجی شرطیں اور داخلی ارکان پورے ہوں اور پاکیزگی (طہارت) تمام شرائط میں سب سے زیادہ اہم اور بڑی شرط ہے۔ تو گویا دوسری شرطیں اس کے مقابلے میں ایسی ہیں جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہیں۔ پس تمام ارکان وشرائط نماز کا آدھا حصہ ہیں اور طہارت (پاکیزگی) دوسرا آدھا حصہ ہے۔

---

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، حديث: 223

اس سے واضح ہے کہ اسلام میں طہارت، یعنی پاکیزگی اور صفائی کو بہت پسند کیا گیا ہے اور اس کو اجر وثواب میں آدھے ایمان کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾﴾

''اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو کثرت سے بارگاہ الٰہی میں توبہ کرنے والے اور پاکیزہ رہنے والے ہیں۔''[1]

"طَھور "طاء پر زبر کے ساتھ ہو تو معنی ہوں گے''ایسی چیز جس سے پاکیزگی حاصل کی جائے۔'' اور اگر''طا'' کے پیش کے ساتھ ہو تو مصدری معنی مراد ہوں گے،''یعنی طہارت و پاکیزگی۔''

---

① البقرۃ 222:2

حدیث:99

حسن و جمال کی اہمیت اور اس کا مطلب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ»

''یقیناً اللہ صاحب جمال ہے، وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔''[1]

جمال، خوب صورتی کو کہتے ہیں۔ شرعی لحاظ سے خوب صورتی کا مطلب ہر چیز کو اچھے طریقے سے بجالانا ہے جیسے نماز کا حسن یہ ہے کہ اسے خشوع خضوع کے ساتھ اور سنتِ نبوی کے مطابق ادا کیا جائے، اسی طرح دیگر احکام شرعیہ ہیں۔ لباس کا حسن یہ ہے کہ وہ صاف ستھرا اور شریعت کے مطابق ہو، چاہے سادہ ہو۔ اسی طرح دوسری چیزیں ہیں جو انسان کے استعمال میں آتی ہیں۔ ان سب کا حسن یہی ہے کہ انسان انھیں شریعت کے دائرے میں استعمال کرے اور ان کی بنا پر اس کے اندر تکبر اور خود پسندی نہ آئے۔ انسان کی قدرتی خواہش ہے کہ اس کا لباس، جوتے، رہائش گاہ اور دیگر چیزیں خوب صورت ہوں۔ بعض صحابہ کے ذہن میں یہ آیا کہ یہ چیزیں بھی خوب صورت ہوں، تو کہیں کبر میں نہ آ جائیں تو نبی ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ ان چیزوں کا خوب صورت ہونا کبر میں شامل نہیں ہے۔ حسن و جمال تو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کیونکہ وہ خود بھی صاحب جمال ہے۔ پھر کبر کیا ہے؟ اس کی وضاحت نبی ﷺ نے یہ فرمائی:

«اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»

''کبر یہ ہے کہ (سرکشی سے) حق کا انکار کر دیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔''[2]

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه ، حديث :91

[2] صحيح مسلم، الإيمان، باب تحريم الكبر و بيانه، حديث :91
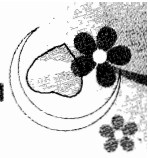
حدیث: 100

بالوں کی صفائی کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ»

''جس شخص کے بال ہوں، اسے چاہیے کہ وہ اُنھیں سنوارے اور صاف ستھرا رکھے۔''[1]

بالوں کا اکرام کرنے کا مطلب وہی ہے جو ترجمے میں واضح کیا گیا ہے، یعنی انھیں سنوارے اور غسل، تیل اور کنگھی کے ذریعے سے ان کو صاف ستھرا رکھے اور انھیں پراگندہ نہ چھوڑے کہ نہ دھوئے، نہ تیل لگائے، نہ کنگھی کرے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر وقت کنگھی کرنے اور زلفیں سنوارنے ہی میں لگا رہے بلکہ اس طرح حسب ضرورت یہ اہتمام کرے کہ بال پراگندہ یا گرد وغبار میں اٹے نہ رہیں۔[2]

بالوں سے مراد سر کے بال ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منڈانے کے مقابلے میں بالوں کا رکھنا افضل ہے۔

نبیٔ کریم ﷺ کے بھی پٹے بال تھے جو کانوں کی لو اور کندھے کے درمیان تھے۔ بعض نے یہ تطبیق دی ہے کہ جب آپ حجامت کراتے تھے تو اس وقت کانوں کی لو تک ہوتے اور حجامت

---

[1] سنن أبي داود، الترجل، باب في إصلاح الشعر، حديث: 4163

[2] اس کا تعین شریعت نے کر دیا ہے، وہ اس طرح کہ ایک روز چھوڑ کر بالوں میں کنگھی کی جائے۔ (تفصیل کے لیے: الصحيحة: حديث :501)

میں دیر ہو جاتی تو وہ کندھوں تک پہنچ جاتے۔[1]

سر کے بالوں کو قزع کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔قزع کا مطلب ہے سر کے بالوں کا کچھ حصہ کاٹ دیا جائے اور کچھ حصہ باقی رکھا جائے یا چوٹی سی رکھی جائے۔بعض علماء نے انگریزی فیشن والے بالوں کو بھی قزع میں شامل کیا ہے۔واللہ أعلم.

③ عون المعبود:131/4

حدیث:101

مسواک، رضائے الٰہی کا ذریعہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِّلْفَمِ، مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ»

''مسواک، منہ کی پاکیزگی اور رب کی رضامندی کا ذریعہ ہے۔''[1]

مسواک کے معنی مسواک کرنا بھی ہیں اور یہ بمعنی اسم بھی مستعمل ہے۔ مسواک جیسا کہ اس حدیث میں ہے، دانتوں اور منہ کی صفائی کا بہترین ذریعہ ہے اور صفائی و نظافت چونکہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اس لیے اس سے رب کی رضامندی بھی حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کو مسواک بہت مرغوب تھی اور آپ ﷺ کثرت سے مسواک فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ جب گھر تشریف لے جاتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے، اسی طرح رات کو تہجد کے لیے اٹھتے تو مسواک کرتے۔[2]

اس کی اہمیت آپ ﷺ کے اس فرمان سے بھی واضح ہے:

«لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِي أَوْ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ كُلِّ صَلَاةٍ»

''اگر میری امت یا لوگوں پر یہ بات گراں نہ ہوتی، تو میں اُنھیں ضرور حکم دیتا کہ وہ ہر

---

① مسند أحمد :3/1، وإرواء الغليل :105/1

② صحيح البخاري، الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، حديث: 889، و صحيح مسلم، الطهارة، باب السواك، حديث :255,253

نماز کے وقت مسواک کریں۔''③

گویا آپ ﷺ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ ہر نماز کے وقت مسواک کی جائے لیکن امت کی مشقت کے پیش نظر آپ ﷺ نے اسے فرض قرار نہیں دیا، تاہم آپ ﷺ کے اس فرمان سے اس کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

اس لیے ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ہر نماز سے پہلے مسواک کرے۔ وضو ہو تب بھی صرف مسواک کر لی جائے، ورنہ وضو سے پہلے مسواک کرے۔ اسی طرح رات کو سو کر اٹھے، گھر میں داخل ہو، کھانے سے فارغ ہو، منہ میں بدبو محسوس کرے، اور قرآن کی تلاوت کا ارادہ کرے۔ ان پانچوں اوقات میں بھی مسواک کرنا پسندیدہ ہے۔ روزے کی حالت میں بعض لوگ زوال کے بعد مسواک کرنا مکروہ سمجھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں۔ روزے کی حالت میں بھی جب چاہے انسان مسواک کرسکتا ہے۔

③ صحیح البخاری، الجمعة، باب السواك يوم الجمعة، حديث :887، 2740، و صحيح مسلم، الطهارة، باب السواك ، حديث :252
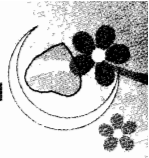
حدیث:102

ناپاکی سے بچنے کی تاکید

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَنَزَّهُوا مِنَ الْبَوْلِ»

''پیشاب (کے چھینٹوں) سے بچو۔''[1]

اسلام میں طہارت اور صفائی کی بڑی تاکید کی گئی ہے حتی کہ اسے آدھا ایمان قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طہارت کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی، جو ایک مسلمان پر فرض ہے اور اسے یہ فریضہ دن اور رات میں پانچ مرتبہ ادا کرنا پڑتا ہے، اس لیے ہر وقت پاک صاف رہنا ایک مسلمان کی بنیادی ضرورت ہے۔

اسی طہارت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے بچا جائے کیونکہ ان چھینٹوں سے انسان ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حدیث مذکورہ بالا میں آگے یہ الفاظ ہیں:

«فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْهُ»

''اس لیے کہ عذاب قبر اکثر پیشاب (کے چھینٹوں سے نہ بچنے) کی وجہ سے ہوگا۔''

ایک مشہور حدیث ہے:

''رسول اللہ ﷺ کا گزر دو قبروں پر سے ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان دونوں (قبروں والوں) کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی بڑی بات پر نہیں ہو رہا۔ ایک

---

[1] سنن الدار قطنی، حدیث:459، وصححه الألبانی فی إرواء الغلیل :310/1، حدیث : 280

ان میں سے چغل خوری کرتا تھا اور دوسرا پیشاب پر پردہ نہیں کرتا تھا (یا دوسری روایت کے مطابق) پیشاب کے چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا۔''[1]

بڑی بات کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ان کے خیال میں بڑی بات نہیں تھی ، ورنہ فی نفسہٖ تو بڑا گناہ تھا۔ دوسرا مفہوم ہے کہ یہ ایسا کام تھا کہ اس سے بچنا بڑی بات نہیں تھی، آسانی کے ساتھ بچا جا سکتا تھا۔ تیسرا مفہوم ہے کہ بڑی بات سے مراد بہت بڑی بات، یعنی بہت بڑا گناہ نہ تھا، یعنی کبیرہ گناہ تو تھا، بڑا کبیرہ گناہ نہ تھا۔

بہر حال دوسری روایت کے الفاظ کی رو سے (جو صحیح مسلم میں ہے) پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنا بھی عذاب قبر کا باعث ہے۔

اس لیے ایک تو پیشاب نرم زمین میں اس طرح کیا جائے کہ چھینٹوں سے کپڑے آلودہ نہ ہوں۔ اسی طرح کھڑے کھڑے پیشاب کرنے سے بھی گریز کیا جائے جیسے انگریز یا پتلون پہننے والے کرتے ہیں کیونکہ اس طرح بھی چھینٹوں سے بچنا مشکل ہے۔

[1] صحیح البخاری، الأدب،باب الغیبة، حدیث:6052،و صحیح مسلم، الطهارة، باب الدلیل علیٰ نجاسة البول......، حدیث:292

حدیث: 103

قضائے حاجت کی دعا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«غُفْرَانَكَ»

''اے اللہ! میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں۔''[1]

نبی ﷺ جب قضائے حاجت سے فارغ ہو جاتے، تو یہ دعا پڑھتے۔ ہمیں بھی آپ ﷺ کی اتباع میں اسے پڑھنا چاہیے۔

[1] سنن ابن ماجه، الطهارة، باب ما يقول إذا خرج من الخلاء، حديث: 300

باب : 11

حدیث:104

اچھی بات بھی صدقہ ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ»

''پاکیزہ بات بھی صدقہ ہے۔''[1]

صدقے کا مشہور مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ، یعنی جہاد میں، دین کی راہ میں، غرباء ومساکین کی ضروریات پوری کرنے میں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے صدقے کے مفہوم میں بڑی وسعت فرما دی ہے اور ہر معروف کام کو صدقہ قرار دے دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ"

''ہر بھلائی صدقہ ہے۔''[2]

[معروف] کا مطلب ہر وہ نیکی اور بھلائی کا کام ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے معروف ہو۔ اس کا ثواب صدقے کے ثواب کی طرح ہوگا۔

اس اعتبار سے نبی ﷺ نے فرمایا: کسی کو نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا، سُبْحَانَ اللّٰه یا اَسْتَغْفِرُاللّٰه یا اَلْحَمْدُ لِلّٰه یا اللّٰهُ اَكْبَرُ یا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه کہنا بھی صدقہ ہے حتی کہ اپنی بیوی

---

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، حديث: 1009

[2] صحيح البخاري، الأدب، باب: كل معروف صدقة، حديث: 6021، وصحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن اسم......، حديث: 1005

سے ہم بستری کرنا بھی صدقہ (یعنی نیکی کا کام) ہے۔ راستے سے پتھر، کانٹے یا ہڈی یا کسی بھی موذی چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ کسی ضرورت مند کی حاجت پوری کر دینا، کسی مظلوم کی دادرسی کر دینا، کسی کا سامان اٹھا کر یا اسے اپنی سواری پر بٹھا کر اس کے گھر تک پہنچا دینا، نماز کے لیے چل کر مسجد جانا، دو شخصوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دینا بھی صدقہ ہے۔

اسی طرح پاکیزہ کلمہ، خوش اخلاقی کی بات اور وعظ ونصیحت بھی صدقہ ہے حتی کہ کسی کو ایذا نہ دینا بھی صدقہ ہے، یعنی اس نیت سے کسی کو تکلیف نہ پہنچانا کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گا۔ اس پر بھی ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اجر وثواب ملے گا۔

سبحان اللہ! کتنا پیارا مذہب ہے اسلام! اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل وکرم کتنا عام اور بے پایاں ہے! اس کے باوجود کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل وکرم سے محروم رہے تو اس کی بدبختی اور حرماں نصیبی قابل ماتم ہے۔

حدیث: 105

مسکرا کے بات کرنا بھی صدقہ ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ»

''تیرا اپنے بھائی کے روبرو مسکرانا، تیرے لیے صدقہ ہے۔''[1]

دوست، بھائی، رشتے دار اور رفیق کار سے خندہ روئی سے ملنا خوش اخلاقی ہے اور بے توجہی یا منہ بسورتے ہوئے ملنا بداخلاقی ہے۔ اسلام نے خندہ روئی سے ملنے کو نیکی قرار دے کر خوش اخلاقی کی اہمیت واضح کر دی ہے۔ صدقے کا مطلب نیکی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپس میں پیار محبت سے ملنا صدقہ وخیرات کرنے کے مترادف ہے، یا انسان یہ سمجھ لے کہ اس طرح صدقہ ہو گیا، بس یہی کافی ہے اور مالی صدقہ وخیرات کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام نے حسن اخلاق کی جو تعلیم وترغیب دی ہے، یہ حدیث بھی اسی کا ایک حصہ ہے۔

خندہ روئی سے ملنا، اس بات کی علامت ہے کہ ملنے والے کا دل دشمنی، عناد، بغض اور کینے سے پاک ہے، ورنہ اس پاکیزگیٔ دل اور صفائے باطنی کے بغیر خوش روئی سے ملنا ناممکن ہے۔ یوں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے دلوں کو ایک دوسرے کے بارے میں بغض وعناد سے پاک رکھیں۔

[1] جامع الترمذی، البر والصلة، باب ما جاء في صنائع المعروف، حدیث: 1956

نرمی شخصیت کا حسن ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ»

''(اے عائشہ!) نرمی اختیار کرو، اس لیے کہ نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے، اسے خوب صورت بنا دیتی ہے اور جس چیز سے بھی نرمی اٹھا لی جائے، وہ اسے عیب دار کر دیتی ہے۔''[1]

نرمی، حسن کا باعث اور سختی اس کے برعکس عیب ناکی کا سبب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نرمی ایک پسندیدہ عمل ہے جس سے انسان کے اخلاق و کردار میں حسن پیدا ہوتا ہے اور جس سے عنداللہ مقبولیت حاصل ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی رفیق، یعنی نرمی فرمانے والا ہے۔ نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر جس طرح اپنے بندوں کو نوازتا ہے، سختی کرنے پر اتنا نہیں نوازتا۔ اسی لیے نبی ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا ہے:

«مَنْ يُّحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ»

''جو نرمی سے محروم کر دیا گیا، وہ بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔''[2]

عام لوگ سختی کو اچھا سمجھتے ہیں اور یہ فاسد گمان رکھتے ہیں کہ عزت ووقار جا و بے جا سختی

---

[1] صحیح مسلم، البر والصلة ، باب فضل الرفق، حدیث :2594

[2] صحیح مسلم، البر والصلة، باب فضل الرفق، حدیث:2592

کرنے میں ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ماتحتوں، بیوی، بچوں اور دوستوں اور رشتے داروں کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں تاکہ ان کے زعم باطل کے مطابق ان کا وقار محفوظ اور رعب و دبدبہ قائم رہے لیکن ایسا سمجھنا خام خیالی اور کم عقلی ہے۔ سختی سے اگر دبدبہ قائم ہوتا بھی ہے تو وہ صرف ظاہری حد تک اور بالکل عارضی ہوتا ہے، جب کہ نرمی، پیار محبت اور شفقت سے جو وقار حاصل ہوتا ہے، وہ انسانوں کے دلوں کی گہرائیوں میں جاگزیں ہوتا ہے اور نہایت پائدار ہوتا ہے حتی کہ موت بھی اس کو دلوں سے نکالنے پر قادر نہیں۔ مرنے کے بعد بھی نرم دل اور شفیق ومہربان شخص کو لوگ نہایت عزت واحترام سے یاد کرتے ہیں۔

حدیث: 107

غصے کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَغْضَبْ»

''غصہ نہ کیا کرو۔''[1]

یہ بات نبیِ کریم ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائی جب ایک شخص نے آپ سے یہ فرمائش کی کہ مجھے وصیت (نصیحت) فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''غصہ نہ کیا کر'' اس نے بار بار، کئی مرتبہ نصیحت کرنے کی درخواست کی، آپ ﷺ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا: ''غصہ نہ کیا کر۔''

آپ ﷺ کے اس فرمان اور مکرر تاکید سے واضح ہے کہ غضب ناک ہونا سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔

غصہ کیا چیز ہے؟ اور یہ کیوں ناپسندیدہ ہے؟ غصے کا مطلب ہے فوراً اشتعال میں آ جانا، گرم ہو جانا، آپے سے باہر ہو جانا اور بے سوچے سمجھے جو منہ میں آئے کہتے چلے جانا یا جو جی میں آئے کر گزرنا۔

ظاہر بات ہے جو بات بغیر سوچے سمجھے کی جائے اور جو کام اشتعال میں، اس کے نتائج پر غور کیے بغیر کیا جائے، اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا۔ ایک اعتبار سے یہ شیطانی عمل ہے، اسی لیے

---

[1] صحیح البخاری، الأدب، باب الحذر من الغضب، حدیث :6116

ناپسندیدہ ہے۔ جلد بازی میں ایسا کام کرنا یا زبان سے ایسے الفاظ ادا کرنا جن پر بعد میں پشیمانی اور افسوس ہو، کسی سمجھ دار آدمی کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ عقل مند آدمی تو ہر بات کہنے سے پہلے اسے تولتا اور ہر کام کرنے سے پہلے اس کے انجام پر غور کرتا ہے۔ غصے میں عقل وتدبیر پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ»

''کوئی حاکم (منصف) غصے کی حالت میں دو شخصوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔''[1]

کیونکہ غصے میں وہ اپنے جذبات پر کنٹرول نہیں رکھ سکے گا یوں دونوں کے معاملات پر سنجیدگی سے غور وفکر بھی نہیں کر سکے گا، جب کہ بات کی تہ تک پہنچنے اور صحیح صحیح فیصلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جذبات سے بالا ہو کر سارے معاملے کا جائزہ لیا جائے اور پھر فیصلہ کیا جائے۔

اکثر لوگ غصے میں آ کر اول فول بکنے یا مار دھاڑ کو شیوۂ مردانگی سمجھتے ہیں، اس لیے وہ غصے پر قابو پانے کی کوشش نہیں کرتے۔ ایسے لوگ غصے میں اپنی زبان یا ہاتھ سے شدید نقصانات کر بیٹھتے ہیں اور بعد میں پچھتاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو نبی ﷺ کی یہ حدیث یاد رکھنی چاہیے:

«لَیْسَ الشَّدِیدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِیدُ الَّذِی یَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»

''پہلوان وہ نہیں ہے جو بہت زیادہ پچھاڑنے والا ہو بلکہ پہلوان (طاقت ور) وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔''[2]

اس لیے شیوۂ مردانگی، غصے میں بے قابو ہو جانا نہیں ہے بلکہ غصے کی حالت میں اپنے نفس

---

[1] صحیح البخاری، الأحکام، باب هل یقضی القاضی أو یفتی وهو غضبان، حدیث : 7158

[2] صحیح البخاری، الأدب، باب الحذر من الغضب، حدیث : 6114

اور جذبات پر کنٹرول رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان وتقویٰ کی اعلیٰ صفات میں سے ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے:

﴿وَٱلۡكَٰظِمِينَ ٱلۡغَيۡظَ وَٱلۡعَافِينَ عَنِ ٱلنَّاسِۗ﴾

''وہ غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔''①

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَإِذَا مَا غَضِبُواْ هُمۡ يَغۡفِرُونَ ٣٧﴾

''اور جب وہ غصے میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔''②

ہر مومن کو اپنے مزاج میں یہی خوبی پیدا کرنی چاہیے۔

اللہ کی نافرمانی پر غضب ناک ہونا، ایمان کی علامت ہے:

البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جہاں آپس کے دنیاوی معاملات میں غضب ناک ہونا ناپسندیدہ ہے وہاں ایک مومن کا اللہ کی نافرمانی کے ارتکاب پر غضب ناک ہونا شرعاً پسندیدہ ہی نہیں مطلوب بھی ہے۔ نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے علاقے کے امام کی شکایت کی کہ وہ صبح کی نماز بہت لمبی پڑھاتا ہے جس کی وجہ سے میں صبح کی نماز میں پیچھے رہتا ہوں۔ آپ یہ بات سن کر اتنے غضب ناک ہوئے کہ وہ صحابی بیان فرماتے ہیں کہ اتنا غضب ناک میں نے آپ کو کسی وعظ ونصیحت کے موقعے پر نہیں دیکھا۔③

آپ کے غضب ناک ہونے کی وجہ یہی تھی کہ اس امام کا طرزِ عمل شرعی ہدایات کے خلاف تھا۔ آپ کی ہدایت تو یہ تھی، جسے آپ نے اس موقعے پر بھی بیان فرمایا، کہ امام مختصر نماز پڑھائے

① آل عمران 3:134 ② الشوریٰ 42:37

③ صحیح البخاری، الأحکام، باب ھل یقضی القاضی أو یفتی وھو غضبان، حدیث: 7159

کیونکہ مقتدیوں میں بوڑھے، کمزور، بیمار اور حاجت مند بھی ہوتے ہیں۔ حدیث میں ایک اور واقعہ آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو ماہواری کے ایام میں طلاق دے دی (جب کہ ان ایام میں طلاق دینے کی ممانعت ہے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: ''اسے چاہیے کہ وہ رجوع کر لے اور اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے، پھر حائضہ ہو، پھر پاک ہو، تب اگر چاہے تو اسے طلاق دے۔''[1]

ان دونوں واقعات سے واضح ہوا کہ شرعی احکام کی مخالفت دیکھ کر غضب ناک ہونا، ایک پسندیدہ اور مطلوب امر ہے کیونکہ ایک مومن کے لیے اللہ کی نافرمانی، ناقابل برداشت ہے۔ اس سے اگر خود اللہ کی نافرمانی کا صدور ہوتا ہے تو وہ سخت مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہے اور فوراً توبہ واستغفار کا اہتمام کرتا ہے۔ اگر کوئی اور شخص اللہ کی نافرمانی کرتا ہے تو اس پر ناراض اور غضب ناک ہوتا ہے۔ اللہ کی نافرمانی والے کاموں پر نہ خود اصرار کرتا ہے، نہ دوسروں کو نافرمانی میں مبتلا دیکھنا گوارا کرتا ہے۔

[1] صحیح البخاری، الأحکام، باب هل یقضی القاضی أو یفتی وهو غضبان، حدیث: 7160

باب : 12

حدیث: 108

کھانے کے آداب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«سَمِّ اللهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ»

''اللہ کا نام لے اور دائیں ہاتھ سے کھا اور اپنے قریب سے کھا۔''[1]

نبی ﷺ نے یہ ہدایت اپنی آغوش مبارک میں پلنے والے بچے حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما کو اس وقت فرمائی جب ان کا ہاتھ رکابی میں اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ آپ ﷺ کی ہدایت کا مقصد کھانے کا ادب سکھلانا تھا کہ جب کسی بڑے برتن میں اجتماعی طور پر کھانا کھایا جا رہا ہو تو ہر شخص کو صرف اپنے آگے سے کھانا چاہیے، یہ نہیں کہ آدمی پورے برتن میں جہاں چاہے ہاتھ مارتا رہے۔ یہ ہدایت ان علاقوں کے لیے بڑی اہم ہے جہاں اب بھی اجتماعی طور پر بڑے برتن میں کھانے کا رواج ہے، تاہم آج کل عام طور پر الگ الگ پلیٹوں اور پیالوں میں کھانے کا چلن ہے۔ قرآن کریم کی رو سے دونوں طرح کھانا جائز ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَأْكُلُوا۟ جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا﴾

''تم پر کوئی گناہ نہیں، سب ساتھ بیٹھ کر کھاؤ یا الگ الگ۔''[2]

تاہم حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مل کر کھانے میں برکت ہے۔ حدیث میں آتا ہے ایک آدمی نے نبی ﷺ سے کہا، ہم کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''شاید تم

---

[1] سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الأكل باليمين، حديث :3267

[2] النور 61:24

لوگ الگ الگ کھاتے ہو، اکٹھے ہو کر کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا نام لو، اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اس میں برکت ڈال دے گا۔''[1]

دوسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لو، یعنی بِسْمِ اللّٰه پڑھ کر کھانے کا آغاز کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے شیطان بھاگ جائے گا اور کھانے تک نہیں پہنچ سکے گا کیونکہ کھانے تک شیطان کی رسائی بے برکتی کا باعث ہے۔ ابتدا میں ''بِسْمِ اللّٰه'' پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آئے (درمیان میں یا آخر میں) تو اس طرح پڑھ لے ''بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ أَوَّلِه وَ آخِرِه.''[2]

تیسری بات یہ فرمائی کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ بعض لوگ انگریزوں کی نقالی میں بائیں ہاتھ سے کھاتے پیتے ہیں۔ یہ بڑی قبیح حرکت ہے۔ ایک مسلمان ہو کر فرنگیوں کی ایسی اندھی نقالی۔ الامان والحفیظ۔ اللہ تعالیٰ اس گمراہی سے بچائے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''تم میں سے ہر آدمی کو چاہیے کہ دائیں ہاتھ سے کھائے، دائیں ہاتھ سے پیے، دائیں ہاتھ سے پکڑے اور دائیں ہاتھ ہی سے کسی دوسرے کو پکڑائے، اس لیے کہ شیطان بائیں ہاتھ ہی سے کھاتا، پیتا اور بائیں ہاتھ ہی سے لیتا دیتا ہے۔''[3]

---

[1] سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الاجتماع على الطعام، حديث:3286

[2] سنن ابن ماجه، الأ طعمة، باب التسمية عند الطعام، حديث:3264

[3] سنن ابن ماجه،الأطعمة،باب الأ كل باليمين، حديث:3266

حدیث:109

دائیں ہاتھ سے کھاؤ پیو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ»

''جب تم میں سے کوئی کھائے، تو دائیں ہاتھ سے کھائے۔''[1]

اسی حدیث میں یہ بھی ہے:

«وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ»

''اور جب پیے تو دائیں ہاتھ سے پیے۔''

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے:

«فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ»

''اس لیے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ ہی سے پیتا ہے۔''[2]

اس سے معلوم ہوا کہ بائیں ہاتھ سے کھانا پینا شیطانی کام ہے لیکن بدقسمتی سے بہت سے مسلمان یورپ کی نقالی میں بڑے فخر سے بائیں ہاتھ سے کھاتے پیتے ہیں، حالانکہ کافروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے پر بھی نہایت سخت وعید ہے:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»

[1] صحیح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث: 2020

[2] صحیح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث:2020

''جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو اس کا شمار انھی میں ہوگا۔''[1]

نبی ﷺ کے سامنے ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''دائیں ہاتھ سے کھا۔'' اس نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو طاقت ہی نہ رکھے!'' اسے صرف کبر نے ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ شخص اس کے بعد اپنا دایاں ہاتھ اپنے منہ تک کبھی اٹھا ہی نہیں سکا۔[2]

یعنی نبی ﷺ نے اس کے لیے جو بددعا فرمائی وہ قبول ہوگئی، اس لیے بائیں ہاتھ سے کھانا پینا سخت گناہ ہے، اس سے بچنا چاہیے اور کھانے پینے کے لیے صرف دایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔ نظافت و طہارت کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ استنجا وغیرہ کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کرنے کا حکم ہے۔ پس جس ہاتھ سے انسان اپنی گندگی صاف کرتا ہے، اسی ہاتھ سے کھانا پینا کتنا معیوب ہے۔

ملحوظہ: حضرت نافع (حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راویٔ حدیث کے شاگرد) اس روایت میں یہ اضافہ کرتے تھے:

«وَلَا يَأْخُذُ بِهَا وَلَا يُعْطِي بِهَا»

''بائیں ہاتھ سے کسی سے کوئی چیز لے، نہ بائیں ہاتھ سے کسی کو کوئی چیز پکڑائے۔''[3]

اس میں بھی لوگ احتیاط نہیں کرتے۔ چیز لیتے اور دیتے وقت بایاں ہاتھ استعمال کرتے ہیں، اس لیے کھانے پینے کی طرح کوئی چیز لیتے اور دیتے وقت بھی صرف دایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہیے اور غیر مسلموں کی نقالی سے بچنا چاہیے۔

---

[1] سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث :4031، و صحيح الجامع الصغير، حديث :6149

[2] صحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب و أحكامهما، حديث :2021

[3] صحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث:2020

حدیث: 110

ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا آكُلُ وَأَنَا مُتَّكِئٌ»

''میں ٹیک لگائے ہوئے کھانا نہیں کھاتا۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ ٹیک لگا کر کھانا نبی ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔

ٹیک لگانے کی تعریف میں اختلاف ہے۔ شارحین حدیث کسی ایک تعریف پر متفق نہیں، تاہم سنن ابن ماجہ اور طبرانی کی ایک حدیث میں اس فرمان رسول کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک (بھنی ہوئی) بکری کا ہدیہ آیا۔ آپ ﷺ اسے دونوں گھٹنوں کے بل بیٹھے تناول فرما رہے تھے، ایک دیہاتی شخص نے کہا: یہ اندازِ نشست کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ جَعَلَنِي عَبْدًا كَرِيمًا وَّلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا عَنِيدًا»

''اللہ نے مجھے عبد کریم (متواضع بندہ) بنایا ہے، سرکش اور تکبر کرنے والا نہیں بنایا۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کھانا کھاتے وقت ایسے انداز سے بیٹھنا چاہیے جس میں تواضع اور فروتنی ہو، متکبر اور سرکش لوگوں کی طرح

---

[1] صحيح البخاری، الأطعمة، باب الأكل متكئًا، حديث: 5399

[2] فتح الباری، الأطعمة، باب الأكل متكئًا، 670/9، حديث: 5399

تکبر اور فخر وغرور کا اظہار نہ ہو۔ علاوہ ازیں ٹیک نہ لگائی جائے۔ ٹیک لگانے کی متبادر صورت یہ ہے کہ دیوار یا تکیے پر سہارا ہو۔ اس طرح کھانا اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔ اسی طرح بعض علماء نے ایسے آرام دہ انداز نشست کو بھی ناپسندیدہ قرار دیا ہے جس سے کھانا فراوانی سے کھایا جائے۔

گویا بسیار خوری بھی ناپسندیدہ ہے اور متکبرانہ طور طریقے بھی مکروہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کھانا کھانے کی دو پسندیدہ صورتیں لکھی ہیں:

① دونوں پیروں پر گھٹنوں کے بل بیٹھا جائے۔

② دایاں پاؤں کھڑا رکھے اور بائیں پر بیٹھے۔[1]

[1] فتح الباری، الأطعمة، باب الأکل متکئاً، 670/9، حدیث: 5399

حدیث: 111

حصول برکت کا بہترین نسخہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«طَعَامُ الْوَاحِدِ يَكْفِي الاِثْنَيْنِ»

''ایک شخص کا کھانا، دو شخصوں کو کفایت کرتا ہے۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ایک باب کا عنوان بنایا ہے اور اس کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

«طَعَامُ الاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الأَرْبَعَةِ»

''دو کا کھانا تین کو اور تین کا کھانا چار افراد کو کافی ہے۔''[2]

اور صحیح مسلم کی مذکور الصدر حدیث میں، بقیہ الفاظ حدیث حسب ذیل ہیں:

«وَطَعَامُ الاِثْنَيْنِ يَكْفِي الْأَرْبَعَةَ،وَطَعَامُ الْأَرْبَعَةِ يَكْفِي الثَّمَانِيَةَ»

''اور دو کا کھانا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ افراد کو کفایت کرتا ہے۔''[3]

مطلب ان احادیث کا یہ ہے کہ جب معاشرے میں غربت و ناداری عام اور وسائلِ رزق کم ہوں، تو پھر وسائل سے بہرہ ور لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے سے کم تر لوگوں کے ساتھ مواسات و ہمدردی کا معاملہ کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال کو صرف اپنی ہی ذات پر

[1] صحيح مسلم، الأشربة، باب فضيلة المواساة فى الطعام القليل ...... ، حديث :2059

[2] صحيح البخارى، الأطعمة، باب طعام الواحد...... ، حديث :5392

[3] صحيح مسلم، الأطعمة، باب فضيلة المواساة فى الطعام القليل......، حديث:2059

صرف نہ کریں بلکہ غریبوں اور ضرورت مندوں کو بھی اس میں شریک کریں حتی کہ اگر ان کے پاس زیادہ وسائل نہ ہوں تو کھانے پینے کی چیزوں ہی میں اپنے ساتھ یوں شریک کر لیں کہ ان کے پاس صرف ایک آدمی کا کھانا ہو جس میں صرف انھی کا پیٹ بھر سکتا ہو، تو وہ اسے بھی دو آدمیوں پر، دو کا کھانا ہو تو چار پر، چار کا ہو تو اسے آٹھ افراد پر تقسیم کر کے کھائیں۔

معاشرے سے معاشی ناہمواری ختم یا کم کرنے کا یہ کیسا بہترین نسخہ ہے۔ اگر اس نسخے پر عمل کیا جائے اور اسے مزید وسعت دی جائے جیسا کہ اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے، تو دولت کے جزیرے الگ آباد ہونے کی بجائے، دولت پورے معاشرے میں تقسیم ہو جائے اور سب کو بقدر کفایت روزی، تن ڈھانپنے کو لباس اور موسم کی شدتوں سے بچنے کے لیے مناسب رہائشی سہولتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

حدیث 112

کھانے کی صحیح اور جامع دعا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ، غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ، رَبَّـنَا»

''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، بہت زیادہ پاکیزہ، کثیر البرکت، نہ کفایت کیا گیا اور نہ یہ آخری کھانا ہے، نہ اس سے بے نیازی برتی جاسکتی ہے، اے ہمارے رب!''[1]

نبی ﷺ یہ دعا کھانے سے فراغت کے بعد پڑھتے تھے۔

(غَیْرَ مَکْفِیٍّ) کا مطلب ہے، ہم نے جو کھایا ہے وہ مابعد کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اے اللہ! تیری نعمتیں تو سدا رہنے والی ہیں، زندگی بھر ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ (وَلَا مُوَدَّعٍ) وداع (کسی کو رخصت کرنا) سے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ہمارا آخری (الوداعی) کھانا نہیں ہے بلکہ جب تک زندگی ہے کھاتے رہیں گے۔

بہر حال کھانے سے فراغت کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

[1] صحیح البخاری، الأطعمة، باب ما یقول إذا فرغ من طعامه، حدیث :5458

حدیث: 113

چھینک آئے تو؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ»

''جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے، تو اسے چاہیے کہ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کہے۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ چھینکنے والا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ کہے۔[2]

اور ایک روایت میں ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے۔[3]

سننے والے اس کے لیے کہیں: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ''اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے۔'' اس کے جواب میں چھینکنے والا کہے: يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ ''اللہ تمھاری رہنمائی اور تمھارے حال کی اصلاح فرمائے۔'' ایک اور روایت میں ہے کہ وہ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ ''اللہ تعالیٰ ہماری اور تمھاری مغفرت فرمائے۔'' کہے۔

ایک روایت میں ہے اگر چھینکنے والا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو تم يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہو اور اگر وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نہ کہے تو پھر تمھارے لیے يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہنا جائز نہیں۔[4]

---

[1] جامع الترمذی، الأدب، باب ماجاء کیف یشمت العاطس، حدیث:2740، وصحیح الجامع الصغیر، حدیث:686

[2] جامع الترمذی، الأدب، باب ماجاء کیف یشمت العاطس، حدیث:2741

[3] صحیح البخاری،الأدب، باب إذا عطس کیف یشمت، حدیث:6224

[4] صحیح مسلم، الزهد والرقائق،باب یشمت العاطس......،حدیث:2992

چھینکنے والے کو چاہیے کہ اپنی ہتھیلیاں اپنے چہرے پر رکھ لے (رومال وغیرہ ہوتو وہ رکھ لے) اور اپنی آواز پست کرے۔[1]

ایک مرتبہ چھینکنے پر اسے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کے الفاظ میں دعا دے لیکن دوسری اور تیسری مرتبہ چھینکنے پر یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ بار بار چھینک آنا اس بات کی دلیل ہے کہ اسے زکام کی شکایت ہے۔[2]

اس لیے ایک دو مرتبہ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہہ دینا کافی ہے۔

[1] جامع الترمذی،الأدب،باب ما جاء فی خفض الصوت......، حدیث:2745، و سنن أبی داود،الأدب،باب فی العطاس، حدیث:5029،صحیح الجامع الصغیر، حدیث :685

[2] صحیح مسلم،الزھد، باب تشمیت العاطس......، حدیث:2993
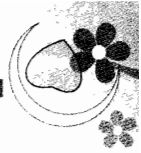
حدیث:114

سونے کے آداب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا»

''اے اللہ! تیرے نام سے میں مرتا اور زندہ ہوتا ہوں۔''[1]

نبی ﷺ جب رات کو سونے کے لیے بستر پر لیٹ جاتے تو اپنا ہاتھ اپنے رخسار کے نیچے رکھتے اور مذکورہ بالا دعا پڑھتے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ دائیں کروٹ پر لیٹتے اور یہ دعا پڑھتے:

«اَللّٰهُمَّ! أَسْلَمْتُ نَفْسِي إِلَيْكَ، وَوَجَّهْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَّرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَنَبِيِّكَ، الَّذِي أَرْسَلْتَ»

''اے اللہ! میں نے اپنا نفس تیرے سپرد کر دیا، اپنا رخ تیری طرف موڑ لیا، اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا، اپنی پشت کی پناہ تجھے بنا لیا، تیری رحمت کی امید رکھتے ہوئے اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہوئے، تیرے مقابلے میں، تیرے سوا کوئی پناہ اور نجات کی جگہ نہیں، میں تیری کتاب پر، جو تو نے نازل کی، اور اس پیغمبر پر جسے تو نے

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب وضع اليد تحت الخدّ اليمنى، حديث: 6314

بھیجا، ایمان لایا۔''[1]

نبی ﷺ نے فرمایا: جو رات کو سوتے ہوئے یہ دعا پڑھے گا اور اسے اس رات کو موت آ گئی تو وہ فطرت پر مرے گا۔

ملحوظہ : رات کی نیند، ایک طرح سے موت ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے: اَلنَّوْمُ أُخْتُ الْمَوْتِ ''نیند موت کی بہن ہے'' اور قرآن مجید میں بھی نیند پر قبضِ روح، یعنی وفات کا لفظ بولا گیا ہے کیونکہ نیند وفات صغریٰ اور موت وفات کبریٰ ہے۔ (ملاحظہ ہو: سورة الأنعام:60، 61 اور سورة الزمر:42)۔ اسی عتبار سے نبی ﷺ نے پہلی دعا میں سونے کو موت سے تعبیر فرمایا ہے اور سو کر اٹھنے کو زندگی سے۔

[1] صحیح البخاری، الدعوات، باب النوم علی الشق الأیمن ، حدیث : 6315

حدیث: 115

سوکر اٹھنے کی دعا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا ، وَإِلَیْهِ النُّشُورِ»

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف (قیامت کے دن) زندہ ہو کر جمع ہونا ہے۔''[1]

نبی ﷺ یہ دعا اس وقت پڑھتے جب آپ صبح سو کر اٹھتے۔ اس میں بھی نیند کو موت سے اور سو کر اٹھنے کو زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس طرح روز کے مرنے اور جینے سے قیامت کی زندگی پر استدلال کیا ہے۔

یہ دعا گویا یاد دہانی ہے کہ جب انسان حقیقی موت سے ہمکنار ہو کر قبر میں جا بسے گا تو پھر ایک دن ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ سب مرے ہوئے انسانوں کو اٹھائے گا اور اپنی بارگاہ میں جمع کر کے ان سے باز پرس فرمائے گا۔
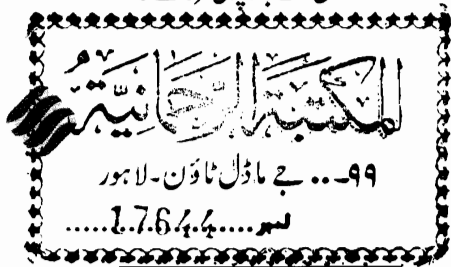
[1] صحیح البخاری، الدعوات، باب ما یقول إذا نام، حدیث: 6312

اسلامی آدابِ معاشرت

دین و شریعت، عقائد و عبادات کے ایک مخصوص نظام اور وضع کا نام ہے۔ اسلامی عقائد کا سب سے قوی اور مضبوط مظہر اسلامی معاشرت میں کارفرما ہوتا ہے۔ یہ معاشرت اور اس کے اوضاع و اطوار جس قدر اپنے عقائد کے عکاس اور ترجمان ہوں گے ان میں اسی قدر سنجیدگی، پختگی اور سیرت سازی کا ساز و سامان موجود ہوگا۔

اسلام سے قبل نجد و حجاز کے علاقوں پر ایک کافرانہ اور مشرکانہ معاشرت غالب تھی۔ اس معاشرت کے سارے کوائف جاہلیت کے رسوم و رواج سے وابستہ تھے، مگر یہ عقیدۂ توحید کا فیضان تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے قلیل ترین وسائل سے تیئس سال کے مختصر عرصے میں ایک عظیم معاشرتی انقلاب برپا کر دیا۔ یہ معاشرتی انقلاب سراسر اسلامی عقائد اور اس کی بنا پر اُٹھنے والی تہذیب و ثقافت سے ہم آہنگ تھا۔

چودہ صدیاں گزرنے کے بعد اسلامی زندگی اور معاشرت کی وہ شکل باقی نہیں رہی جو کتاب و سنت کا تقاضا ہے۔ عہد حاضر کا ذہنی انتشار اور قلبی اضطراب اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک ہم ایک مرتبہ پھر اپنی معاشرت کا رنگ ڈھنگ کوہ فاران کی چوٹیوں سے بلند ہونے والے پیغامِ الٰہی کی روشنی میں اختیار نہیں کرتے۔

ادارۂ دارالسلام نے امت کی اس دینی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اسلامی معاشرت کے خدوخال کو احادیث نبویہ صحیحہ کی روشنی میں جاننے اور متعارف کرانے کی یہ علمی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

ISBN: 9960-9803-9-1

PRINTED IN CHINA - 09